شوال المکرم ۱۴۳۱ھ
ستمبر ۲۰۱۰ء

ماہنامہ

# میثاق

لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی پاکستان
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خصوصی مضمون
اسلام کا سماجی و معاشرتی نظام

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

# رجوع الی القرآن کورسز (پارٹ I اور II)

## میں داخلے جاری ہیں!

تعلیم یافتہ حضرات کے لیے قرآن حکیم کو سمجھنے اور فہم دین کے حصول کا سنہری موقع

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ طلبہ کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے کورسز کو دو' دو سمسٹرز میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

### نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن (تقریباً پانچ پارے)
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل (تقریباً دو پارے)
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی (منتخب دروس قرآن)
5. تجوید وحفظ
6. مطالعۂ حدیث
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

### نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 21 ستمبر سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات 20 ستمبر کو صبح دس بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

**نوٹ:**
پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

کورسز کے تفصیلی پراسپکٹس درج ذیل پتہ سے حاصل کریں:


ناظم شعبہ تدریس
قرآن اکیڈمی
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem.org

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

# ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ


جلد : 59

شمارہ : 9

شوال المکرم 1431ھ

ستمبر 2010ء

فی شمارہ -/25

اس شمارے کی قیمت 50 روپے



مدیر

حافظ عاکف سعید

نائب مدیر

حافظ خالد محمود خضر



سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 250 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36271241

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات


☆ **عرضِ احوال** — 3

''بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا ہے.....'' — ایوب بیگ مرزا

☆ **بیان القرآن** — 7

سورۃ المائدۃ (آیات ۴۴ تا ۶۶) — ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **اسلام کا نظامِ حیات** — 27

اسلام کا سماجی و معاشرتی نظام — ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **منتخب نصاب۔۲** — 77

اقامتِ دین کے لیے کام کرنے
والوں کے مطلوبہ اوصاف — انجینئر نوید احمد

☆ **حقیقتِ دین** — 109

عقیدۂ توحید کے انسانی زندگی پر اثرات — فاروق حمید

☆ **یادِ رفتگاں** — 121

ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے پہلی اور آخری ملاقات — ڈاکٹر زاہد اشرف

☆ **تعمیرِ سیرت** — 131

☆ شراب۔ اُمّ الخبائث — عتیق الرحمٰن صدیقی

☆ حسد۔ ایک اخلاقی برائی — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

☆ **دین و دنیا** — 147

انٹرنیٹ اور اس کے مضر اثرات — حافظ محمد زبیر


❀ ❀ ❀

# عرضِ احوال

## "بحر و بر میں فساد برپا ہو گیا لوگوں کے اپنے کرتوتوں کے سبب"

امریکہ اور یورپ کا میڈیا اور ہمارا سیکولر دانشور آج کل اسلام فوبیا میں مبتلا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ہمارا سیکولر دانشور اسلام کی بجائے "مولوی" کا لفظ استعمال کرتا ہے' تاکہ ۱۸ کروڑ مسلمانوں کے غیظ و غضب سے بچا جا سکے۔ مولوی کے کندھے پر رکھ کر اسلامی شعائر اور اسلامی تعلیمات کے خلاف زہر اگلنا آسان ہو جاتا ہے اور چونکہ مولوی بھی معاشرے میں اپنی credibility کھو چکا ہے لہٰذا عوام کسی نہ کسی درجہ میں بعض باتوں کو قبول کر لیتے ہیں۔ آج جب پاکستان میں سیلاب کے ہاتھوں انسان مال و اسباب کے ساتھ جان کی بازی بھی ہار رہے ہیں' سینکڑوں دیہات صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ہیں' ماؤں کے جگر گوشے اور سہاگنوں کے سہاگ اُن کی نظروں کے سامنے ڈوب رہے ہیں' بیٹا باپ کو اور باپ بیٹے کو بچاتے ہوئے پانی کی بے رحم لہروں کی نذر ہو رہا ہے' پختہ عمارتیں ریت کے گھروندوں کی طرح زمین بوس ہو رہی ہیں اور اُن کے مکین اپنے مال سمیت بے گور و کفن دفن ہو رہے ہیں' اس خوفناک بحرانی کیفیت میں ہمارے سیکولر دانشور کو یہ فکر دامن گیر ہے کہ اس قرآنی نظریہ کو وہ غلط ثابت کر سکے کہ انسان جب گناہوں کے ہو کر رہ جاتے ہیں' جب ظلم و ستم تمام حدود و قیود عبور کر جاتا ہے' جب گھٹیا خیالات کے حامل رذیل لوگ قیادتیں سنبھال لیتے ہیں اور عزت و احترام کے قابل سمجھے جانے لگتے ہیں' گویا معاشرہ یہ صلاحیت ہی کھو بیٹھتا ہے کہ بُرائی کو بُرائی سمجھے اور کہے تو اللہ کی طرف سے مختلف پیمانوں پر مختلف انداز میں عذاب نازل ہوتے ہیں۔ حالانکہ بدترین گناہوں میں ملوث قوموں پر عذاب کے نازل ہونے کا قرآن حکیم میں کئی جگہوں پر ذکر ہے۔ ہم یہاں صرف ایک مثال دیئے دیتے ہیں۔ سورۃ الروم (آیت ۴۱) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ "خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے باعث"۔ لیکن ہمارا سیکولر طبقہ چیخ و پکار کر رہا ہے کہ مولوی سیلاب کے سدِّباب اور اس مصیبت سے نمٹنے کی بجائے ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ یہ ہمارے گناہوں

کا خمیازہ ہے اور یہ اللہ کا عذاب ہے۔

سیکولر دانشور سوال کرتا ہے کہ کیا صرف غریب گنہگار ہیں اور لاہور و کراچی کی شاندار کوٹھیوں اور بنگلوں میں براجمان امراء بہت نیک ہیں کہ یہ عذاب اُن پر نازل نہیں ہو رہا؟ ہم بدقسمتی سے مولوی کا درجہ تو حاصل نہیں کر سکے لیکن اس سوال کا جواب دینا خود پر واجب سمجھتے ہیں۔ اولاً یہ کہ یہ بات ہی خلافِ حقیقت ہے کہ سیلاب کے عذاب میں صرف غریب مبتلا ہیں' خیبر پختونخوا کے بہت سے کروڑ پتی اس وقت حکومتی امداد پر بسر اوقات کرنے پر مجبور ہیں۔ اخباری رپورٹ کے مطابق کئی بڑے تاجر نقصان کی وجہ سے نفسیاتی مریض ہو گئے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ ہمارے سیکولر دانشور بھائی غور فرمائیں کہ اس غریب ملک میں امیر اور غریب کا تناسب کیا ہے؟ کون نہیں جانتا کہ امراء معاشرے میں آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ جب عظیم اکثریت غرباء ہی کی ہے تو ظاہر ہے کہ وہی ڈوبتے اور ہلاک ہوتے نظر آئیں گے۔ ثالثاً یہ کہ میڈیا پرنٹ ہو یا الیکٹرونک' اُنہیں اس مصیبت کے وقت میں آسودہ حال لوگوں کو جھنجھوڑنا ہے' مصیبت زدگان کی امداد کے لیے لوگوں کے جذبات کو ابھارنا ہے' لہٰذا وہ اپنا قلم اور کیمرہ غریب ترین اور انتہائی خستہ حال لوگوں پر فوکس کریں گے' تاکہ پڑھنے اور سننے والے انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت آگے بڑھیں۔ ٹیلی ویژن یہ کہتا کبھی نہیں سنا جائے گا کہ سیلاب سے فلاں کروڑ پتی مقروض ہو گیا ہے' لوگ آگے بڑھیں اور اُس کا قرض اُتاریں۔ نوشہرہ کی مارکیٹ میں اربوں روپے کے سیلاب کی نذر ہونے والے کپڑے کے مالک کیا غرباء تھے؟

یہ تو گزارشات تھیں' اس سوال کے جواب میں کہ اگر یہ عذابِ خداوندی ہے تو صرف غریبوں پر کیوں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اسے اللہ کا عذاب نہیں مانتے بلکہ اُس کی صرف سائنسی توجیہات کرتے ہیں۔ جبکہ ہماری رائے بلکہ ایمان یہ ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے۔ البتہ اللہ اُس کے لیے دُنیوی اسباب پیدا کرتا ہے۔ یہ سائنسی توجیہات زمینی اسباب ہیں۔ اللہ ان کو ہی عذاب کا ذریعہ بناتا ہے۔

اب آیئے اُس اصل بات کی طرف جو ان دانشوروں کے سوال میں پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ زلزلہ ہو' سیلاب ہو یا کوئی سماوی آفت' وہ اس کا گناہوں اور برائیوں سے کوئی تعلق نہیں سمجھتے جو افراد سے انفرادی سطح پر سرزد ہوں یا قوم سے اجتماعی طور پر۔ ہمارا اس مسئلہ پر پہلا' آخری' حتمی اور برملا جواب یہ ہے کہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان ایک شے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو'

اُس کی آواز اپنے کانوں سے سن رہا ہو اور اُس کے وجود پر ساری دنیا بھی گواہی دے رہی ہو' تب بھی وہ اُس کے ہونے پر اُس قدر یقین نہیں کرے گا جتنا یقین اُسے قرآن کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر حرف پر ہوگا۔ قرآن کی بہت سی آیات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے انسانی تاریخ میں کئی اقوام پر گناہوں کے اصرار پر عذاب نازل کیے۔ ان مختلف عذابوں میں انسانیت جزوی طور پر بھی متاثر ہوئی اور کلی طور پر بھی۔ کئی اقوام کو چھوٹے چھوٹے عذابوں سے تنبیہات کی گئیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ اگر اگلی اقوام پر گناہوں کی پاداش میں عذاب نازل ہوتے تھے تو آج کسی قوم پر ایسے ہی گناہوں پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوگا؟ البتہ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ عذابِ استیصال یعنی جڑ کاٹ دینے والا اللہ کا عذاب صرف کسی رسول کی مکمل نافرمانی پر ہی آتا ہے۔ رسول کی غیر موجودگی میں آنے والا کوئی عذاب کسی قوم کا مکمل خاتمہ نہیں کرے گا۔ نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے انسانوں کو بار بار سمجھایا کہ اس دنیا کی سزا اور جزا کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ بہت معمولی' بہت کمتر ہیں۔ اصل جزا اور سزا تو آخرت میں ملے گی۔ وہاں سزا پانے والے کی سزا کو موت بھی نہیں ختم کر سکے گی۔ اس لیے کہ موت کو موت آ چکی ہوگی۔ آگ جب انسانوں کی جلد کو جلا دے گی تو انہیں نئی جلد دے دی جائے گی' تاکہ تکلیف' اذیت اور کرب کا سلسلہ ختم نہ ہو' اور جنتیوں کی سب سے بڑی خوشی یہی ہوگی کہ اُنہیں بتا دیا جائے گا کہ یہ عیش و آرام کبھی ختم نہ ہوگا۔

اس دینی پس منظر میں غور فرمائیں' اللہ دنیا میں جب کسی گناہ گار قوم کے ایک حصے پر عذاب بھیجتا ہے تو درحقیقت وہ اس قوم کے دوسرے حصے کو تنبیہہ کرتا ہے کہ باز آ جاؤ' ہماری قوت کا غلط اندازہ مت لگاؤ! تمہارے حساب کتاب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ دیکھو' ہم نے تمہاری قوم کے ایک حصہ کے امراء و غرباء کو کس طرح ملیامیٹ کر دیا ہے۔ تم باز آ جاؤ' وگرنہ تم بھی کسی حادثہ سے' کسی سانحہ سے دوچار ہو سکتے ہو۔ فرض کریں' وہ قوم خصوصاً اُس کے بڑے لوگ گناہوں کے ارتکاب سے باز نہیں آتے اور طبعی موت مر جاتے ہیں تو سمجھ لیں کہ وہ بدقسمت ترین لوگ ہیں' اس لیے کہ جن پر دنیا میں مصیبت نازل ہوئی تھی' قوی امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ دُنیوی سزا اُن کے گناہوں کے کفارے کے طور پر قبول کر لے اور اُن کی مغفرت کر دے۔ لیکن جنہوں نے توبہ بھی نہیں کی اور دنیا میں سزا بھی نہیں پائی' اُنہیں آخرت میں کیسی خوفناک سزا کا سامنا ہوگا' اُس کا اندازہ ایک حدیث کے مفہوم سے سمجھ لیں کہ

جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مغفرت حاصل کرنے والوں کو انعام دے رہا ہوگا تو جہنمی انتہائی حسرت سے کہیں گے کہ اے کاش! دنیا میں ہمارے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیے جاتے لیکن آج یہ انعامات اور یہ جزا ہم بھی حاصل کر لیتے۔ ہمارے سیکولر دانشور بھائی غور فرمائیں کہ کتنے بدقسمت ہوتے ہیں وہ گناہ گار جنہیں دنیا میں سزا نہیں ملتی۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ لاہور اور کراچی کے شاندار بنگلوں میں براجمان زیادہ گنہگار ہونے کے باوجود آسمانی آفات سے بچ جاتے ہیں اور یہ سماوی آفت اللہ کا عذاب نہیں ہے' عقلی اور نقلی دونوں لحاظ سے انتہائی غلط' گمراہ کن اور حق سے بعید ہے۔

سمجھنے والی بات یہ ہے کہ ہمارا جرم ہے کیا؟ یہ سزا ہمیں کیوں دی جا رہی ہے؟ ہمارا حقیقی جرم وہی ہے جس کا ذکر ہم اِن سطور میں ہزاروں بار کر چکے ہیں کہ ہم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ تو ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے آزاد ایک خطہ زمین عطا کر دے' ہم اس میں اسلام کا نظام نافذ کریں گے۔ جب اللہ نے ہمیں آزاد پاکستان عطا فرما دیا تو ہم اس عہد سے منحرف ہو گئے۔ اللہ نے ہمیں تمام دُنیوی نعمتوں سے نوازا' لیکن ہم عیش و عشرت اور اللّے تللّوں میں پڑ گئے۔ یہ ہے ہمارا جرمِ عظیم۔ باقی تمام جرائم مثلاً کرپشن' سمگلنگ' چور بازاری' مہنگائی' بیروزگاری' چوری اور ڈاکے وغیرہ نے اس جرمِ عظیم کے بطن سے جنم لیا ہے۔ لہٰذا اس جرمِ عظیم سے قومی اور اجتماعی سطح پر تائب ہونے کی ضرورت ہے اور اگر ہم تائب نہیں ہوتے بلکہ شیطان کے پیروکار بن کر اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں تو کان کھول کر سن لیں کہ اللہ ربّ العزت اپنے کلامِ پاک میں فرماتا ہے:

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ﴾ (بنی اسراء یل:۸)

''اُمید ہے تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے' اور اگر تم پھر وہی حرکتیں کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے۔''

**اطلاع برائے قارئین**

میثاق کا شمارہ اگست 2010ء بوجوہ بروقت شائع نہیں ہو سکا تھا' جس پر ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ اس کی تلافی پیشِ نظر شمارہ کے صفحات میں خاطر خواہ اضافہ کر کے کی جا رہی ہے۔ اس طرح اس شمارے کی حیثیت اگست' ستمبر کی مشترکہ اشاعت کی ہے۔ (ادارہ)

# سُورۃ المائدۃ

## آیات ۴۴ تا ۵۰

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا
لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا
عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا
قَلِيۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝ وَكَتَبۡنَا
عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ
وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ
فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝
وَقَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ
التَّوۡرٰىةِ ۖ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ هُدًى وَّنُوۡرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ
مِنَ التَّوۡرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ وَلۡيَحۡكُمۡ اَهۡلُ الۡاِنۡجِيۡلِ بِمَاۤ
اَنۡزَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝
وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ
وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا
جَآءَكَ مِنَ الۡحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰىكُمۡ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَأَنِ احْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ
بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ
يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ
الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ ع

سورۃ المائدۃ کا یہ ساتواں رکوع حسنِ اتفاق سے سات ہی آیات پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت سخت تہدید، تنبیہہ اور دھمکی ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی آسمانی شریعت پر ایمان کے دعوے دار ہوں اور پھر اس کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق اپنی زندگی گزار رہے ہوں۔ قرآن حکیم کی طویل سورتوں میں کہیں کہیں تین تین آیتوں کے چھوٹے چھوٹے گروپ ملتے ہیں جو معانی و مفہوم کے لحاظ سے بہت جامع ہوتے ہیں، جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲، ۱۰۳ اور ۱۰۴ ہیں۔ ابھی سورۃ المائدۃ میں بھی تین آیات پر مشتمل نہایت جامع احکامات کا حامل ایک مقام آئے گا۔ اسی طرح کہیں کہیں سات سات آیات کا مجموعہ بھی ملتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع کی سات آیات (۴۰ تا ۴۶) بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں نہایت جامع ہیں۔ یہ دعوت کے ابلاغی انداز پر مشتمل ہیں اور دعوت کے باب میں بمنزلہ فاتحہ ہیں۔ اسی طرح قانونِ شریعت کی تنفیذ اس کی اہمیت اور اس سے پہلوتہی پر وعید کے ضمن میں زیر مطالعہ رکوع کی سات آیات نہایت تاکیدی اور جامع ہیں، بلکہ یہ مقام اس موضوع پر قرآن حکیم کا ذروۂ سنام (climax) ہے۔

آیت ۴۴ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ ”یقیناً ہم نے ہی نازل فرمائی تھی تورات“
﴿فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ ”اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔“
﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ﴾ ”اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے انبیاء“
﴿الَّذِينَ أَسْلَمُوا﴾ ”جو کہ سب فرمانبردار تھے (اللہ کے)“
ظاہر ہے کہ تمام انبیا کرام علیہم السلام خود بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔
﴿لِلَّذِينَ هَادُوا﴾ ”(اور وہ فیصلے کرتے تھے) یہودیوں کے لیے“
یعنی انبیا کرام علیہم السلام یہودیوں کے تمام فیصلے تورات (شریعتِ موسوی) کے مطابق کرتے

تھے جیسا کہ حدیث میں ہے ((كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ))(۱) یعنی بنی اسرائیل کی سیاست اور حکومت کے معاملات' انتظام وانصرام' انبیاء کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اس لیے وہی ان کے مابین نزاعات کے فیصلے کرتے تھے۔

﴿وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾ ''اور درویش اور علماء''

ان کے ہاں اللہ والے صوفیاء اور علماء وفقہاء بھی تورات ہی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ ''بسبب اس کے کہ وہ کتاب اللہ کے نگران بنائے گئے تھے''

انہیں ذمہ داری دی گئی تھی کہ انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کرنی ہے۔

﴿وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ﴾ ''اور وہ اس پر گواہ تھے۔''

﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ﴾ ''(تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ) تم لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو''

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''اور میری آیات کو حقیری قیمت پر فروخت نہ کرو۔''

یعنی اللہ کا طے کردہ قانون موجود ہے' اس کے مطابق فیصلے کرو۔ لوگوں کو پسند ہو یا ناپسند' اس سے تمہارا بالکل کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ اب آرہی ہے وہ کانٹے والی بات:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴﴾ ''اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔''

بقولِ علامہ اقبال ؎

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں' خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

آیت ۴۵ ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ﴾ ''اور ہم نے لکھ دیا تھا ان پر اس (تورات) میں''

﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ ''کہ جان کے بدلے جان''

---

(۱) صحيح البخاري' كتاب احاديث الانبياء' باب ما ذكر عن بني اسراء يل۔ وصحيح مسلم' كتاب الامارة' باب وجوب الوفاء ببيعة الخلفاء الاول فالاول۔

﴿وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ ''اور آنکھ کے بدلے آنکھ''
﴿وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ﴾ ''اور ناک کے بدلے ناک''
﴿وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ﴾ ''اور کان کے بدلے کان''
﴿وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ﴾ ''اور دانت کے بدلے دانت''
﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ ''اور اس طرح زخموں کا بدلہ بھی ہوگا برابر کا۔''
﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ ''پھر جو کوئی اس کو معاف کر دے تو یہ اس کے لیے (گناہوں کا) کفارہ ہوگا۔''

کسی نے ایک شخص کا کان کاٹ دیا' اب وہ جواباً اُس کا کان کاٹنے کا حق دار ہے' لیکن اگر وہ قصاص نہیں لیتا اور معاف کر دیتا ہے تو اسے اپنے بہت سے گناہوں کا کفارہ بنا لے گا۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجرم کو جب معاف کر دیا گیا تو اس کے ذمے سے وہ گناہ ڈھل گیا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''اور جو فیصلے نہیں کرتے اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق وہی تو ظالم ہیں۔''

اور ظالم یہاں بمعنی مشرک ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان:۱۳) اب دیکھئے' ایک قانون اللہ کا ہے اور ایک انسانوں کا۔ پھر انسانوں کے بھی مختلف قوانین ہیں' ایک Roman Law ہے' ایک پاکستانی قانون ہے' ایک رواج پر مبنی قانون ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ فیصلہ کس قانون کے مطابق کر رہے ہیں؟ اللہ کے قانون کے تحت یا کسی اور قانون کے مطابق؟ اگر آپ نے اللہ کے قانون کے ساتھ ساتھ کسی اور قانون کو بھی مان لیا یا اللہ کے قانون کے مقابلے میں کسی اور قانون کو ترجیح دی تو یہ شرک ہے۔

آیت ۴۶ ﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ''اور ہم نے ان کے پیچھے انہی کے نقشِ قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا''

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ ''(وہ آئے) تصدیق کرتے ہوئے اُس کی جو ان کے سامنے موجود تھا تورات میں سے''

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ ''اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی' اس میں

ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا''

﴿وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ ''اور وہ (انجیل بھی) تصدیق کر رہی تھی اس کی جو تورات میں سے اُس کے سامنے موجود تھا''

﴿وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور وہ ہدایت (راہنمائی) اور نصیحت تھی تقویٰ والوں کے لیے۔''

آیت ۴۷ ﴿وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ﴾ ''اور چاہیے کہ انجیل کے ماننے والے فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے۔''

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ''اور جو لوگ نہیں فیصلے کرتے اللہ کے اُتارے ہوئے احکامات وقوانین کے مطابق' وہی تو فاسق ہیں۔''

وہی تو سرکش ہیں' وہی تو نافرمان ہیں' وہی تو ناہنجار ہیں۔ غور کیجیے ایک رکوع میں تین دفعہ یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

ان آیاتِ قرآنیہ کو سامنے رکھیے اور ملتِ اسلامیہ کی موجودہ کیفیت کا جائزہ لیجیے کہ دنیا میں کتنے ممالک ہیں جہاں اللہ کا قانون نافذ ہے؟ آج روئے زمین پر کوئی ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جہاں شریعتِ اسلامی پورے طور پر نافذ ہو اور اسلام کا مکمل نظام قائم ہو۔ اگرچہ ہم انفرادی اعتبار سے مسلمان ہیں لیکن ہمارے نظام کافرانہ ہیں۔

آیت ۴۸ ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ''اور (اب اے نبی ﷺ) ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی حق کے ساتھ''

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ ''جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگران ہے''

یہ کتاب تورات اور انجیل کی مصداق بھی ہے اور مُصدِّق بھی۔ اور اس کی حیثیت کسوٹی کی

ہے۔ پہلی کتابوں کے اندر جو تحریفات ہو گئی تھیں اب ان کی تصحیح اس کے ذریعے سے ہو گی۔

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ ''تو (آپؐ بھی) فیصلہ کریں ان کے درمیان اس (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے''

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ''اور مت پیروی کریں ان کی خواہشات کی' اس حق کو چھوڑ کر جو آ چکا ہے آپ (ﷺ) کے پاس۔''

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل طے کر دی ہے۔''

جہاں تک شریعت کا تعلق ہے سب کو معلوم ہے کہ شریعتِ موسوی شریعتِ محمدیؐ سے مختلف تھی۔ مزید برآں رسولوں کے منہاج (طریق کار) میں بھی فرق تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہاج میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ ایک مسلمان اُمت (بنی اسرائیل) کے لیے بھیجے گئے تھے۔ وہ اُمت جو کہ دبی ہوئی تھی' پسی ہوئی تھی' غلام تھی۔ اس میں اخلاقی خرابیاں بھی تھیں' دینی اعتبار سے ضعف بھی تھا' وہ آلِ فرعون کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے مقصدِ بعثت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ایک بگڑی ہوئی مسلمان امت کو کافروں کے تسلط اور غلبے سے نجات دلائیں۔ اس کا ایک خاص طریقہ کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بتایا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک مسلمان اُمت کے لیے مبعوث کیے گئے' یعنی یہودیوں ہی کی طرف۔ اس قوم میں نظریاتی فتور آ چکا تھا' ان کے معاشرے میں اخلاقی و روحانی گراوٹ انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اُن کے علماء کی توجہ بھی دین کے صرف ظاہری احکام اور قانونی پہلوؤں پر رہ گئی تھی اور وہ اصل مقاصدِ دین کو بھول چکے تھے۔ دین کی اصل رُوح نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس سارے بگاڑ کی اصلاح کے لیے حضرت مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص منہج' ایک خاص طریقہ کار عطا فرمایا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں میں مبعوث کیا گیا جو مشرک تھے' اَن پڑھ تھے' کسی نبی کے نام سے ناواقف تھے سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔ ان کا احترام بھی وہ اپنے جدِ امجد کے طور پر کرتے تھے' ایک نبی کے طور پر نہیں۔ کوئی شریعت ان میں موجود نہیں تھی' کوئی کتاب ان کے پاس نہیں تھی۔ گویا ''ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا'' کی مجسم تصویر! آپ ﷺ نے اپنی دعوت و تبلیغ کے ذریعے ان میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک عظیم جماعت پیدا کی'

انہیں حزب اللہ بنایا' اور پھر اس جماعت کو ساتھ لے کر آپ ﷺ نے کفر' شرک اور ائمہ کفر کے خلاف جہاد و قتال کیا' اور بالآخر اللہ کے دین کو اس معاشرے میں قائم کر دیا۔ یہ منہاج ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ تو یہ مفہوم ہے اس آیت کا ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک منہاج (طریقہ کار' منہج عمل) مقرر کیا ہے''۔ اس لحاظ سے یہ آیت بہت اہم ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ''اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا''

﴿وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ﴾ ''مگر اُس نے چاہا کہ وہ اس چیز میں تمہاری آزمائش کرے جو اُس نے تم کو عطا کی''

یعنی اللہ کی حکمت اس کی متقاضی ہوئی کہ جس کو جو جو کچھ دیا گیا ہے اس کے حوالے سے اس کو آزمائے۔ چنانچہ اب ہمارے لیے اصل اُسوہ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام' بلکہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱) کے مصداق ہمارے لیے اُسوہ ہے تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اگر شادی نہیں کی تو یہ ہمارے لیے اُسوہ نہیں ہے۔ ہمیں تو حضور ﷺ کے فرمان کو پیش نظر رکھنا ہے' جنہوں نے فرمایا: ((اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ))(۱) اور پھر فرمایا: ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ))(۲)۔ تو واقعہ یہ ہے کہ تمام انبیاء اللہ ہی کی طرف سے مبعوث تھے' اور ہر ایک کے لیے جو بھی طریقہ اللہ تعالیٰ نے مناسب سمجھا وہ ان کو عطا کیا' البتہ ہمارے لیے قابلِ تقلید منہاجِ نبوی ﷺ ہے۔ اب ہم پر فرض ہے کہ اس منہج انقلابِ نبویؐ کا گہرا شعور حاصل کریں' پھر اس راستے پر اُسی طرح چلیں جس طرح حضور ﷺ چلے۔ جس طرح آپؐ نے دین کو قائم کیا' غالب کیا' ایک نظام برپا کیا' پھر اُس نظام کے تحت اللہ کا قانون نافذ کیا' اُسی طرح ہم بھی اللہ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ ''تو تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی

---

(۱) سنن ابن ماجه' كتاب النكاح' باب ما جاء في فضل النكاح۔

(۲) صحيح البخاري' كتاب النكاح' باب الترغيب في النكاح۔ وصحيح مسلم' كتاب النكاح' باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه اليه.....

کوشش کرو۔"

﴿اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا﴾ "اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے"

﴿فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۴۸﴾﴾ "تو وہ تمہیں جتلا دے گا ان چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔"

آیت ۴۹ ﴿وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ﴾ "اور فیصلے کیجیے ان کے مابین اس (شریعت) کے مطابق جو کہ اللہ نے اُتاری ہے"

﴿وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ﴾ "اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے"

آج ہمارا کیا حال ہے؟ ہم کن لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں؟ آج ہم احکامِ الٰہی کو پس پشت ڈال کر اپنے سیاسی پیشواؤں کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں قانون بنا دیتے ہیں' جو چاہتے ہیں فیصلہ کر دیتے ہیں اور پوری قوم اس کی پابند ہوتی ہے۔ ہم اس جال سے اسی صورت میں نکل سکتے ہیں کہ ایک زبردست جماعت بنائیں' طاقت پیدا کریں' ایک بھرپور تحریک اٹھائیں' قربانیاں دیں' جانیں لڑائیں تاکہ یہ موجودہ نظام تبدیل ہو' اللہ کا دین قائم ہو' اور پھر اس دین کے مطابق ہمارے فیصلے ہوں۔ یہاں حضور ﷺ کو ایک بار پھر سے تاکید کی جا رہی ہے کہ آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے اور اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے کیجیے۔

﴿وَاحۡذَرۡہُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡکَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکَ﴾ "اور ان سے ہوشیار رہیے' ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو ان میں سے کسی چیز سے بچلا دیں جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہیں۔"

یعنی ہر طرف سے دباؤ آئے گا' لیکن آپؐ کو ثابت قدمی سے کھڑے رہنا ہے اُس شریعت پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔

﴿فَاِنۡ تَوَلَّوۡا﴾ "پھر اگر وہ روگردانی کریں"

﴿فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّصِیۡبَہُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِہِمۡ﴾ "تو جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔"

یہ دراصل لرزا دینے والا مقام ہے۔ اگر ہم اپنے اس ملک کے اندر اسلام کو قائم نہیں

کرتے اور ہماری ساری کوششوں کے باوجود دین نافذ نہیں ہو رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عذاب کا کوئی کوڑا مقدر ہو چکا ہے۔ واضح الفاظ میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے احکامات سے مُنہ موڑیں، شریعت کے فیصلوں کا انکار کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے اور ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ (البروج) کے مصداق انہیں کوئی سزا دینا چاہتا ہے۔

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ﴾ ''اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ لوگوں میں سے اکثر فاسق (نافرمان) ہیں۔''

**آیت ۵۰** ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ﴾ ''تو کیا یہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟''

جاہلیت سے مراد حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کا دور ہے۔ یعنی کیا قانونِ الٰہی نازل ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ جاہلیت کے دستور، اپنی روایات اور اپنی رسومات پر عمل کرنا چاہتے ہیں؟ جیسا کہ ہندوستان میں مسلمان زمیندار انگریز کی عدالت میں کھڑے ہو کر کہہ دیتے تھے کہ ہمیں اپنی وراثت کے مقدمات میں شریعت کا فیصلہ نہیں چاہیے بلکہ رواج کا فیصلہ چاہیے۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ ''اور اللہ کے حکم (اور فیصلے) سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اس یقین اور ایمانِ حقیقی کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین!)

## آیات ۵۱ تا ۵۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ

يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ
لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ع ۱۲

**آیت ۵۱** ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ﴾ ”اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دلی دوست (حمایتی اور پشت پناہ) نہ بناؤ۔“

﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ﴾ ”وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“

ان میں سے بعض بعض کے پشت پناہ اور مددگار ہیں۔ یہ درحقیقت ایک پیشین گوئی تھی جو اِس دور میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو صورت حال وہ تھی جو ہم قبل ازیں (اس سورۃ کی آیت ۱۴ میں) پڑھ آئے ہیں: ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ ”پس ہم نے ان کے مابین عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی روزِ قیامت تک کے لیے“۔ چنانچہ عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین ہمیشہ شدید دشمنی رہی ہے اور آپس میں کشت و خون ہوتا رہا ہے‘ لیکن زیر نظر الفاظ ﴿بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ میں جو پیشین گوئی تھی وہ بیسویں صدی میں آ کر پوری ہوئی ہے۔ بالفور ڈیکلریشن (۱۹۱۷ء) کے بعد کی صورتِ حال میں ان کا باہمی گٹھ جوڑ شروع ہوا‘ جس کے نتیجے میں برطانیہ اور امریکہ کے زیر اثر اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی اور اب بھی اگر وہ قائم ہے تو اصل میں انہی عیسائی ملکوں کی پشت پناہی کی وجہ سے قائم ہے۔ عیسائی اب یہودیوں کی اس لیے پشت پناہی کر رہے ہیں کہ اُن کی ساری معیشت یہودی بینکاروں کے زیر تسلط ہے۔ عیسائیوں کی معیشت پر یہودیوں کے قبضہ کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کا یہ گٹھ جوڑ اس درجہ مستحکم ہو چکا ہے کہ آج عیسائیوں کی پوری عسکری طاقت یہودیوں کی پشت پر ہے۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ ”اور تم میں سے جو کوئی ان سے دلی دوستی رکھے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۔“

یعنی جو کوئی ان سے دوستی کے معاہدے کرے گا' ان سے نصرت وحمایت کا طلب گار ہوگا' ہماری نگاہوں میں وہ یہودی یا نصرانی شمار ہوگا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آج ہمارے اکثر مسلمان ممالک کی پالیسیاں کیا ہیں اور اس سلسلے میں قرآن کا فتویٰ کیا ہے' وہ آپ کے سامنے ہے۔

**آیت ۵۲** ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''تو تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے''

﴿يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ﴾ ''وہ انہی کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں''

فلاں ملک سے دوستی کا معاہدہ' فلاں سے مدد کی درخواست' فلاں سے حمایت کی توقع' ان کی ساری بھاگ دوڑ' تگ ودو' خارجہ پالیسی ''يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ'' کی عملی تصویر ہے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں روگ یعنی نفاق ہے۔ اگر اللہ پر ایمان ہو' اعتماد اور یقین ہو' اس سے خلوص اور اخلاص کا رشتہ ہو تو پھر اُسی سے نصرت وحمایت کی امید ہو اور ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد:۷) کے وعدے پر یقین ہو!

﴿يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ﴾ ''وہ کہتے ہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم گردشِ زمانہ (اور کسی مصیبت کے چکر) میں نہ پھنس جائیں۔''

یعنی ہم یہود ونصاریٰ سے اس لیے تعلقات استوار کر رہے ہیں کہ کل کلاں کسی ناگہانی آفت سے بچ سکیں۔

﴿فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ ''تو بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ جلد ہی فتح لے آئے یا اپنے پاس سے کوئی اور فیصلہ صادر فرما دے''

﴿فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ﴾ ''تو پھر جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس پر انہیں نادم ہونا پڑے۔''

انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جن کی دوستی کا سہارا انہوں نے اپنے زعم میں لے رکھا تھا وہی انہیں دھوکا دے رہے ہیں' ع ''جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے!''

**آیت ۵۳** ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ﴾ ''اور (اُس وقت) اہلِ ایمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ وہ تو تمہارے ساتھ ہیں۔''

﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ ''ان کے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور وہ خسارے والے بن کر رہ جائیں گے۔''

اب جو تین آیتیں آ رہی ہیں ان میں اُن اہلِ ایمان کا ذکر ہے جو پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستے میں جدّوجُہد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی توفیق دے کہ کمرِ ہمت کس کر اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا فرما دے کہ اُس کی شریعت کو نافذ کرنا ہے اور الکافِرون' الظالِمون اور الفاسِقون (المائدۃ: ۴۴' ۴۵ اور ۴۷) کی صفوں سے باہر نکلنا ہے۔ اس طرح کی جدّوجُہد میں محنت کرنا پڑتی ہے' مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں' تکالیف سہنا پڑتی ہیں۔ ایسے حالات میں بعض اوقات انسان کے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں اور عزم و ہمت میں کچھ کمزوری آنے لگتی ہے۔ ایسے موقع پر اس راہ کے مسافروں کی ایک خاص ذہنی اور نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے۔ اس حوالے سے یہ تین آیات نہایت اہم اور جامع ہیں۔

**آیت ۵۴** ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ﴾ ''اے ایمان والو! جو کوئی بھی پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے''

﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ﴾ ''تو اللہ (کو کوئی پرواہ نہیں' وہ) عنقریب (تمہیں ہٹا کر) ایک ایسی قوم کو لے آئے گا''

﴿يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ ''جنہیں اللہ محبوب رکھے گا اور وہ اُسے محبوب رکھیں گے''

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے''

﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ﴾ ''کافروں پر بہت بھاری ہوں گے''

﴿يُّجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے''

﴿وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ﴾ ''اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے۔''

یہاں پر جو لفظ یَرْتَدَّ آیا ہے اس کے مفہوم میں ایک تو قانونی اور ظاہری ارتداد ہے۔ جیسے ایک شخص اسلام کو چھوڑ کر کافر ہو جائے' یہودی یا نصرانی ہو جائے۔ یہ تو بہت واضح قانونی ارتداد ہے' لیکن ایک باطنی ارتداد بھی ہے' یعنی اُلٹے پاؤں پھرنے لگنا' پسپائی اختیار کر لینا۔ اوپر اسلام کا لبادہ تو جوں کا توں ہے' لیکن فرق یہ واقع ہو گیا ہے کہ پہلے غلبۂ دین کی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے' محنتیں کر رہے تھے' وقت لگا رہے تھے' ایثار کر رہے تھے' انفاق کر رہے تھے' بھاگ دوڑ کر رہے تھے' اور اب کوئی آزمائش آئی ہے تو ٹھٹک کر کھڑے رہ گئے ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۲۰) میں ارشاد ہے: ﴿كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا﴾ ''جب ذرا روشنی ہوتی ہے ان پر تو اس میں کچھ چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں''۔ اب کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف کھڑے رہ گئے ہیں بلکہ کچھ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تمہارا محتاج ہے' بلکہ تم اللہ کے محتاج ہو۔ تمہیں اپنی نجات کے لیے اپنے اس فرض کو ادا کرنا ہے۔ اگر تم نے پسپائی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹائے گا اور کسی دوسری قوم کو لے آئے گا' کسی اور کے ہاتھ میں اپنے دین کا جھنڈا تھما دے گا۔

یہاں پر مؤمنین صادقین کے اوصاف کے ضمن میں جو تین جوڑے آئے ہیں ان پر ذرا دوبارہ غور کریں:

(۱) ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ ''اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔'' (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!)

(۲) ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے' کافروں پر بہت سخت ہوں گے''۔ یہی مضمون سورۃ الفتح (آیت ۲۹) میں دوسرے انداز سے آیا ہے: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ ''آپس میں بہت رحیم و شفیق' کفار پر بہت سخت''۔ بقولِ اقبالؔ:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

(۳) ﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ ''اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے''۔ ان کے رشتہ دار اُن کو سمجھائیں گے' دوست احباب نصیحتیں کریں گے کہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ دماغ خراب ہو گیا ہے

تمہارا؟ تم fanatic ہو گئے ہو؟ تمہیں اولاد کا خیال نہیں' اپنے مستقبل کی فکر نہیں! مگر یہ لوگ کسی کی کوئی پروا نہیں کریں گے' بس اپنی ہی دھن میں مگن ہوں گے۔ اور ان کی کیفیت یہ ہوگی: ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا — تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریتِ جاں' راحتِ تن' صحتِ داماں — سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری — تنہا پسِ زنداں' کبھی رسوا سرِ بازار
کڑکے ہیں بہت شیخ سرِ گوشۂ منبر — گرجے ہیں بہت اہلِ حکم بر سرِ دربار

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام — چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت
اِس عشق' نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل — ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت!

یہ ایک کردار ہے جس کو واضح کرنے کے لیے دو دو اوصاف کے یہ تین جوڑے آئے ہیں۔ ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں اس کردار کو عملاً اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے' جس کو چاہے عطا کرتا ہے' اور اللہ بہت وسعت رکھنے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔ اگر تم اپنے بھائیوں' عزیزوں' دوستوں' ساتھیوں اور رفیقوں کو دیکھتے ہو کہ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہوا ہے' انہوں نے کیسے کیسے مرحلے سر کر لیے ہیں' کیسی کیسی بازیاں جیت لیں ہیں' تو تم بھی اللہ سے اس کا فضل طلب کرو۔ اللہ تمہیں بھی ہمت دے گا۔ اس لیے کہ اس دین کے کام میں اس قسم کا رشک بہت پسندیدہ ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ کو رشک آیا حضرت ابوبکر صدیقؓ پر۔ جب غزوۂ تبوک کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دیا تو آپؐ نے سوچا کہ آج تو میں ابوبکرؓ سے بازی لے جاؤں گا' کیونکہ اتفاق سے اِس وقت میرے پاس خاصا مال ہے۔ چنانچہ انہوںؓ نے اپنے پورے مال کے دو برابر حصے کیے' اور پورا ایک حصہ یعنی آدھا مال لا کر حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر میں جو کچھ تھا وہ سب لے آئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا میں نے جان لیا کہ ابوبکرؓ سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔ تو دین کے معاملے میں اللہ کا حکم ہے: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ (المائدۃ:۴۸) یعنی نیکیوں میں' خیر میں' بھلائی

میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہو!

اب پھر اہلِ ایمان کو دوستانہ تعلقات کے معیار کے بارے میں خبردار کیا جا رہا ہے۔ اہل ایمان کی دلی دوستی کفار سے' یہود ہنود اور نصاریٰ سے ممکن ہی نہیں' اس لیے کہ یہ ایمان کے منافی ہے۔ اگر دین کی غیرت وحمیت ہوگی' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت دل میں ہوگی تو ان کے دشمنوں سے دلی دوستی ہو ہی نہیں سکتی۔

**آیت ۵۵** ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ ''تمہارے ولی تو اصل میں بس اللہ' اُس کا رسول (ﷺ) اور اہلِ ایمان ہیں''

تمہارے دوست' پشت پناہ' حمایتی' معتمد اور راز دار تو بس اللہ' اُس کا رسول ﷺ اور اہلِ ایمان ہیں۔ اور یہ اہلِ ایمان بھی پیدائشی اور قانونی مسلمان نہیں' بلکہ:

﴿الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ﴾ ''جو نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں جھک کر۔''

یہاں وَھُمْ رٰکِعُوْنَ کا مطلب ''وہ رکوع کرتے ہیں'' صحیح نہیں ہے۔ یہ درحقیقت زکوٰۃ دینے کی کیفیت ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں فروتنی کرتے ہوئے۔ ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۷۳) میں پڑھ آئے ہیں کہ سب سے بڑھ کر انفاق فی سبیل اللہ کے مستحق کون لوگ ہیں: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ.....﴾ جو اللہ کے دین کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ہیں اور ان کے پاس اب اپنی معاشی جدوجہد کے لیے وقت نہیں ہے۔ لیکن وہ فقیر تو نہیں کہ آپ سے جھک کر مانگیں' یہ تو آپ کو جھک کر' فروتنی کرتے ہوئے ان کی مدد کرنا ہوگی۔ آپ انہیں دیں اور وہ قبول کر لیں تو آپ کو ان کا ممنونِ احسان ہونا چاہیے۔

**آیت ۵۶** ﴿وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور جو کوئی دوستی قائم کرے گا اللہ' اُس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والوں کے ساتھ''

یوں سمجھ لیں کہ یہاں یہ فقرہ محذوف ہے: ''تو وہ شامل ہو جائے گا حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) میں۔''

﴿فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ ''پس سن لو کہ حزب اللہ ہی غالب رہنے والی ہے۔''

یہ شرائط پہلے پوری کی جائیں ان تمام معیارات پر پورا اترا جائے اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ایمان رکھا جائے تو پھر یقیناً حزب اللہ ہی غالب رہے گی۔

## آیات ۵۷ تا ۶۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ
اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا
وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ
وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ
السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ
غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ
وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ
اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ

رَبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۱۰

آیت ۵۷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ﴾ ''اے اہلِ ایمان' ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی تھی تم سے پہلے اور دوسرے کافروں میں سے بھی۔''

پھر وہی بات فرمائی گئی کہ مشرکین اور اہلِ کتاب میں سے کسی کو اپنا ولی اور دوست نہ بناؤ۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم مؤمن ہو۔''

آیت ۵۸ ﴿وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ﴾ ''اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔''

یعنی اذان کی آواز سن کر اس کی نقلیں اتارتے ہیں اور تمسخر کرتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ عقل سے عاری ہیں۔''

آیت ۵۹ ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ﴾ ''(اے نبیؐ) ان سے کہیے کہ اے کتاب والو''

﴿هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ﴾ ''تم کس بات کا انتقام لے رہے ہو ہم سے؟''

﴿اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ''سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر''

﴿وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ ''اور (اس پر) جو ہم پر نازل کیا گیا''

﴿وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور (اس پر بھی) جو پہلے نازل کیا گیا''

﴿وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ''اور حقیقت یہ ہے کہ تمہاری اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔''

آیت ۶۰ ﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''آپ (ﷺ) کہیے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر سزا پانے والے کون ہیں؟''

﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ ''(وہ لوگ ہیں) جن پر اللہ نے لعنت کی''

﴿وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ ''اور جن پر وہ غضب ناک ہوا''

﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾ ''اور جن میں سے اُس نے بندر اور خنزیر بنا دیے''

﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾ ''اور جنہوں نے شیطان کی بندگی کی۔''

﴿اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ ''یہ سب کے سب بہت بُرے مقام میں ہیں اور بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں سیدھے راستے سے۔''

آیت ۶۱ ﴿وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا﴾ ''اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے''

﴿وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ﴾ ''حالانکہ وہ داخل بھی ہوئے تھے کفر کے ساتھ اور نکلے بھی ہیں کفر کے ساتھ۔''

میرے نزدیک یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر سورۂ آل عمران (آیت ۷۲) میں آیا ہے' جنہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ۔ ان کے بارے میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور کفر کے ساتھ ہی نکلے ہیں' ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ شعوری طور پر فیصلہ کر چکے تھے کہ رہنا تو ہمیں اپنے دین پر ہے' لیکن اسلام کی جو ساکھ بن گئی ہے اس کو نقصان پہنچانے کی خاطر ہم یہ دھوکہ اور سازش کر رہے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپائے ہوئے تھے۔''

آیت ۶۲ ﴿وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ''اور تم دیکھو گے ان میں سے اکثر کو کہ بہت بھاگ دوڑ کرتے ہیں گناہ اور ظلم و زیادتی (کے کاموں) میں''

﴿وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ ''اور حرام کے مال کھانے میں''

﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''بہت ہی بُرا عمل ہے جو وہ کر رہے ہیں!''

آیت ۶۳ ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ ''کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے درویش (صوفی اور پیر و مرشد) اور علماء و فقہاء

گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے؟''

آج ہمارے ہاں بھی اکثر و بیشتر پیر اپنے مریدوں کو حرام خوری سے منع نہیں کرتے۔ انہیں اس میں سے نذرانے مل جانے چاہئیں' اللہ اللہ خیر سلا۔ کہاں سے کھایا؟ کیسے کھایا؟ اس سے کوئی بحث نہیں۔ حالانکہ اللہ والوں کا کام تو برائی سے روکنا ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ ''بہت بُرا ہے وہ کام جو وہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۶۴ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ ''اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا۔''

ان کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کی رحمت جو ہمارے لیے تھی وہ بند ہو گئی ہے' نبوت کی رحمت ہمارے لیے مختص تھی اور اب یہ دستِ رحمت ہماری طرف سے بند ہو گیا ہے۔ یا اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے جو منافقین کہا کرتے تھے کہ اللہ ہم سے قرضِ حسنہ مانگتا ہے تو گویا اللہ فقیر ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) اور ہم اغنیاء ہیں۔ جواب میں فرمایا گیا:

﴿غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ''ان کے ہاتھ بندھ گئے ہیں'' یا ''بندھ جائیں ان کے ہاتھ''

﴿وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا﴾ ''اور ان پر لعنت ہے اس کے سبب جو انہوں نے کہا''

﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ ''بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں''

﴿يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ ''وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔''

﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾ ''اور یقیناً اضافہ کرے گا ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر میں جو کچھ (اے نبیؐ) نازل کیا گیا ہے آپؐ پر آپؐ کے ربّ کی طرف سے۔''

یعنی ضد میں آ کر انہوں نے حق و صداقت پر مبنی اس کلام کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جیسے جیسے جو جو احسانات بھی آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر ہو رہے ہیں' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جو غیبتیں دے رہا ہے' دین کو رفتہ رفتہ جو غلبہ حاصل ہو رہا ہے' اس کے حسد کے نتیجے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی بڑھتی جا رہی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد تو خاص طور پر عرب کے اندر بہت تیزی کے ساتھ صورتحال بدلنی شروع ہو گئی تھی۔ اس کے نتیجے

میں بجائے اس کے کہ یہ لوگ سمجھ جاتے کہ واقعی یہ اللہ کی طرف سے حق ہے اور یک سو ہو کر اس کا ساتھ دیتے' ان کے اندر کی جلن اور حسد کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔

﴿وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور ہم نے ان کے مابین قیامت تک کے لیے دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔''

﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ﴾ ''جب کبھی یہ آگ بھڑکاتے ہیں جنگ کے لیے اللہ اُس کو بجھا دیتا ہے''

جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے یہودی اکثر سازشیں کرتے رہتے تھے۔ خاص طور پر غزوۂ احزاب تو ان ہی کی سازشوں کے نتیجے میں برپا ہوا تھا۔ مدینے کے یہودی قبائلِ عرب کے پاس جا جا کر اِدھر اُدھر وفد بھیج کر لوگوں کو جمع کرتے تھے کہ آؤ تم باہر سے حملہ کرو' ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ ان کی انہی سازشوں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ ''اور (پھر بھی) یہ زمین میں فساد مچانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتے رہتے ہیں۔''

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾﴾ ''اور اللہ ایسے مُفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

**آیت ۶۵** ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ ''اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے''

﴿لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ ''تو ہم اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دیتے''

﴿وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾﴾ ''اور ہم لازماً انہیں داخل کرتے نعمتوں والے باغوں میں۔''

جو آیت آگے آ رہی ہے اس پر غور کیجیے اور اسے خود پر بھی منطبق کر کے ذرا سوچیے۔

**آیت ۶۶** ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور اگر انہوں نے قائم کیا ہوتا تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر اِن کے رب کی طرف سے''

(باقی صفحہ 108 پر)

# اسلام کا سماجی اور معاشرتی نظام

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّ اُنۡثٰی وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰىکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۱۳﴾ (الحجرات)

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾ (النساء)

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ﴿۸﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾ (المؤمنون)

## خطاب کا پس منظر

''اسلام کا نظامِ حیات'' کے موضوع پر سلسلہ وار خطابات کے ضمن میں آج تیسرا خطاب ہے' جس کا عنوان ہے: ''اسلام کا سماجی اور معاشرتی نظام''۔ اس سے پہلے اس سلسلہ کے دو خطابات ہو چکے ہیں ـــــ ''اسلامی نظام کی نظریاتی اساس: ایمان'' اور ''اسلام کا اخلاقی اور روحانی نظام''۔ آج کے موضوع پر گفتگو سے پہلے ان دو خطابات پر یاد دہانی کے طور پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ ان خطابات میں سے پہلا خطاب ''اسلامی نظامِ حیات کی نظریاتی اساس: ایمان'' خالص تمہیدی تھا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ہر فرد کی شخصیت کے دو پہلو ہیں' یعنی اس کا فکر اور اس کا عمل۔ ایک نارمل انسان میں ان دونوں کے مابین بڑا گہرا ربط ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح فرد کا معاملہ ہے اسی طرح ہر اجتماعی نظام کی اساس بھی ایک نظامِ فکر پر قائم ہوتی ہے اور کسی بھی نظامِ حیات کا صحیح فہم اس وقت تک حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کی نظریاتی اساس کو نہ سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ ہم نے ایک مکمل نشست اسی کے لیے وقف کی اور یہ ثابت کیا کہ اسلامی نظامِ حیات کی بھی ایک نظریاتی اساس ہے جو ایمان ہے۔

اس سلسلہ کا دوسرا خطاب ''اسلام کا اخلاقی اور روحانی نظام'' کے موضوع پر تھا' جو عملاً انسان کی انفرادی شخصیت میں اُس ''ایمان'' کا ظہور ہے۔ گویا ہمارے دوسرے خطاب کا موضوع اجتماعی نظام نہیں بلکہ انفرادی شخصیت سے متعلق تھا۔ اس لیے کہ ایمان جب کسی انسان کے دل میں گھر کر جائے' راسخ ہو جائے' جم جائے تو وہ اس کے پورے وجود میں سرایت کر جاتا ہے' جیسا کہ سورۃ الحجرات میں اشارہ کیا گیا: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (آیت ۷) ''اللہ نے ایمان کو تمہارے نزدیک نہایت محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے''۔ صحابہ کرام ؓ کی یہی امتیازی شان تھی کہ ایمان صرف ان کا قول نہیں تھا بلکہ ان کا عمل بن گیا تھا۔ ایمان پہلے ان کے دل میں راسخ ہوا' پھر ان کے پورے وجود میں سرایت کر گیا اور پھر اس کا جو ظہور ہوا تو ان کے اخلاقِ حسنہ اعلیٰ درجوں تک پہنچ گئے اور ان کا فکر ہی ان کا عمل بن گیا۔ اس کے ضمن میں دو مثالوں کے حوالے سے میں عرض کر چکا ہوں کہ عمارت اگر بلند ہے تو اس کی بنیاد بھی اسی قدر گہری ہونی چاہیے اور درخت اگر بلند ہوتا جا رہا ہو تو اسے اپنی جڑیں بھی زمین میں نہایت گہرائی میں اتارنی پڑیں گی' ورنہ وہ قائم نہیں

رہ سکے گا۔ یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔ اسی طرح ایمان کی گہرائی اور عمل کی درستی' پھر اس کے نتیجہ میں اس کے اندر رفعت و بلندی اور اس کی ارتقائی شان' یہ دونوں آپس میں نسبت و تناسب کے حامل ہیں۔ ایمان اگر سطحی سا ہے تو جو مذہبی رویہ وجود میں آئے گا وہ بھی سطحی سا ہوگا۔ مثلاً ایک شخص زیادہ تر امتثالِ امر کے درجے میں نماز پڑھتا ہے کہ اللہ کا حکم ہے اس لیے نماز پڑھ رہا ہوں' تو اس کی نماز میں خشوع وخضوع اور حضوریٔ قلب کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہوگی جس کا ذکر حدیث جبرائیل میں بایں الفاظ ملتا ہے: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ))(۱)۔ اب جیسے جیسے ایمان کی جڑیں گہری ہوں گی ویسے ہی اس کے عمل میں بھی نکھار آئے گا' اس میں بہار آئے گی اور ''صبغت اللہ'' گہرا ہوتا چلا جائے گا۔ اب نماز صرف امتثالِ امر اور فرض کی ادائیگی سمجھ کر نہیں ادا کی جائے گی بلکہ اس میں ذوق وشوق اور حضوریٔ قلب کی کیفیت موجود ہوگی۔ ایمان کی گہرائی سے انسان کے جملہ اخلاق' اخلاقِ حسنہ کا مرقع بن جائیں گے' اس کی شخصیت میں دلآویزی پیدا ہوگی اور ایک خوبصورت انسانی کردار وجود میں آئے گا۔ اس پر میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْاِیْمَانِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ جواباً ارشاد فرمایا: ((خُلُقٌ حَسَنٌ))(۲) یعنی وہ ایمان جس کے ساتھ اخلاق حسنہ موجود ہوں۔ دوسری حدیث میں یہ قول مبارک سامنے آتا ہے: ((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا))(۳) یعنی اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہی ہوگا جو سب سے زیادہ اعلیٰ' عمدہ' دلآویز شخصیت اور سیرت وکردار کا حامل ہوگا۔ جب اور گہرائی میں اتریں گے تو ایمان کی شدت میں اور اضافہ ہوگا' اس کی intensity اور بڑھے گی تو اب اس کے دو نتیجے نکلیں گے۔ (۱) اللہ کی والہانہ محبت: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵) وہ کیفیت جسے صوفیاء ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں: لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ' لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ' لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ (۲) اور پھر یہ کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل کرنے یعنی تقرب الی اللہ کی انتہائی تمنا اور آرزو پیدا ہوگی۔

اسلام کے روحانی نظام کے ضمن میں جو آخری بات عرض کی گئی تھی اس کا تعلق میری آج

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب سؤال جبریل النبی ﷺ۔

(۲) مسند احمد بن حنبل' مسند العشرة المبشرین بالجنة' تتمه مسند الکوفین' حدیث عمرو بن عبسة۔

(۳) سنن الترمذی' کتاب الرضاع' باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها۔

کی گفتگو کے ساتھ ہے کہ روحانی ارتقاء یعنی ایک فرد کی ترقی' ارتقاء اور اس کے عروج کا آخری اور بلند ترین مقام تقرب الی اللہ ہے۔ اس کے بارے میں حدیث قدسی کے حوالے سے عرض کیا گیا تھا کہ ابتدائی مراحل اخلاقِ حسنہ' ضبطِ نفس' تزکیۂ نفس' تہذیبِ نفس' پھر محبتِ ربّ' اللہ ہی کا مقصود و مطلوب بن جانا' اللہ ہی کا محبوبِ حقیقی بن جانا ہیں اور پھر اس سے آگے بڑھ کر تقرب الی اللہ کے مراحل آتے ہیں۔ دنیا میں ایک خانقاہی نظام جو رائج رہا ہے اس میں زیادہ زور انفرادیت پر دیا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ لو لگا کر بیٹھے رہیں' اسی میں انسان کو سب سے زیادہ لذّت حاصل ہوتی ہے۔ وہ جو غالبؔ کا ایک شعر ہے ؎

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کیے ہوئے!

لیکن اسلام نے تقرب الی اللہ کے اس process کو divert کیا ہے' اسے دوسری سمت عطا کی ہے کہ اس جذبے کو معاشرے کی اصلاح کے لیے' معاشرے میں نیکی و بھلائی کے پرچار کے لیے' بدی کے استیصال کے لیے' امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کے لیے بروئے کار لایا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ (آل عمران:۱۰۴) ''اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو بھلائی کی طرف بلائے' نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔''

## شعورِ نبوت اور شعورِ ولایت

علامہ اقبال نے اپنے ایک خطبے میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک ہے شعورِ نبوت اور ایک ہے شعورِ ولایت اور پھر حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے واقعہ سے اس کا ایک ربط قائم کیا ہے کہ وہ ایک خاص کیفیت میں تھے اور اللہ کے ساتھ لو لگی ہوئی تھی کہ اچانک اقامت کی آواز کان میں آئی تو وہ کچھ جھنجھلا کر کھڑے ہوئے کہ نماز فرض ہے' ادا تو کرنی ہے' لیکن الفاظ یہ نکلے کہ ''حضوری سے نکال کر دربانی میں کھڑا کر دیا''۔ انہی کا ایک جملہ یہ بھی ہے: ''محمد عربی بالائے آسمان رفت و باز آمد' بخدا اگر من رفتم باز نمی آمدم''۔ کہ محمد عربی ﷺ بالائے آسمان پہنچے اور پھر واپس آ گئے' خدا کی قسم اگر میں پہنچ جاتا تو کبھی واپس نہ آتا۔ یہ ہے شعورِ ولایت۔ لیکن شعورِ نبوت و رسالت یہ ہے کہ اس بلندی پر پہنچنے کے بعد حکم ہوتا ہے: ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝﴾ (طٰہٰ) ''فرعون کی طرف جاؤ' وہ سرکشی پر اُتر آیا ہے''۔ اب جائیے' اس بلندی سے

نیچے اتریئے‘ اپنا فرضِ منصبی ادا کیجیے۔ وہ بلندی چاہے کوہِ طور کی تھی یا جبل نور کی۔ غارِ حرا کی تنہائیاں‘ وہاں کے مراقبے‘ تفکر واعتبار اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط وتعلق اور تقرب اپنی جگہ‘ لیکن جب حکم الٰہی آ گیا کہ ان لذتوں کو چھوڑیے اور جا کر دعوت الی اللہ‘ دعوت الی الخیر دیجیے‘ معاشرے کی اصلاح اور ظلم کے استحصال کے لیے کھڑے ہو جایئے تو یہ شعورِ نبوت تھا کہ آپؐ یہ حکم بجالائے۔

## ظلم اور اعتدال کی کشمکش

پچھلے خطاب میں عرض کیا گیا تھا کہ ظلم دو ہی ہیں‘ ایک اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا جو سب سے بڑا ظلم ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان) اور دوسرا انسانوں پر ظلم۔

اجتماعی نظام میں انسانوں پر ظلم خاص طور پر تین جہتوں سے آتا ہے:

(۱) سماجی سطح پر‘ یعنی اونچ نیچ کا فرق‘ اعلیٰ اور ادنیٰ کی تقسیم‘ پیدائشی طور پر کسی کا اعلیٰ وارفع اور باعزت ہونا‘ اور کسی کا ادنیٰ‘ نیچ اور گھٹیا ہونا۔ یہ تفریق (discrimination) ظلم ہے۔

(۲) پھر اسی کی ایک صورت معاشی میدان میں استحصال کے طور پر آتی ہے۔ یعنی دولت کی تقسیم کا ایک غیر منصفانہ نظام کہ جس میں کچھ لوگ محروم ہوتے چلے جائیں اور کچھ کے پاس ارتکازِ دولت کی شدت بڑھتی چلی جائے۔

(۳) پھر سیاسی سطح پر ظلم کی صورت تمیز بندہ وآقا اور حاکم ومحکوم کی نسبت ہوتی ہے۔ یعنی لوگوں کی حریت اور آزادی کو سلب کر کے‘ ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر اپنے اقتدار کی مسندیں سجانا۔ اسی کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا ع ''تمیز بندہ وآقا فسادِ آدمیت ہے''۔

یہ وہ تین مسائل ہیں جن کے ضمن میں بڑی بڑی فکری وعملی پیچیدگیاں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان محتاج ہے‘ اسے اپنے خالق ومالک کے سامنے نقطۂ عدل واعتدال کے لیے گھٹنے ٹیک کر استدعا کرنی پڑتی ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾

واضح رہے کہ انفرادی اخلاقیات میں بھی عدل واعتدال کوئی آسان بات نہیں ہے۔ وہاں بھی ایک ''پل صراط'' موجود ہے‘ ذرا اِدھر ہو گئے تو افراط اور ذرا اُدھر ہو گئے تو تفریط ہے۔ مختلف اخلاقی اقدار کے مابین توازن اور اعتدال بھی بہت مشکل کام ہے۔ اسی کی مثال میں نے پچھلے خطاب میں دی تھی کہ رہبانیت کے متعلق قرآن بھی کہتا ہے کہ یہ کسی بدنیتی کے تحت ایجاد نہیں کی گئی: ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانَ اللّٰهِ

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحدید:۲۷) ''اور انہوں نے رہبانیت کا طریقہ خود ایجاد کر لیا تھا' ہم نے تو ان پر یہ بات لازم نہ کی تھی' مگر وہ اس سے اللہ کی رضا چاہتے تھے' پھر نہ نبھایا اس کو جیسا کہ اس کا حق تھا''۔ ظاہر بات ہے جنہوں نے بھی رہبانیت کا نظام ایجاد کیا تھا ان کے پیش نظر نیکی ہی کا جذبہ تھا' اللہ سے لو لگانا مقصود تھا' لیکن ایک شدّت تھی جو حد اعتدال سے تجاوز کر گئی تھی۔

اس حوالے سے میں دو مثالیں پیش کر چکا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے بارے میں حضور ﷺ کو خبر دی گئی کہ وہ ساری رات نماز میں کھڑے رہتے ہیں اور تمام دن روزہ رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ ان کو اس سے روک رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں عبادت' زہد' تدین اور اتقاء کا ایک ایسا منہ زور جذبہ ہے جسے روکا جا رہا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ کسی کے اندر دنیا پرستی اور لذات پرستی کا معاملہ ہو' اس سے روکا جائے' جبکہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے' لیکن یہاں بھی روکنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ یہاں بھی اگر حد اعتدال سے تجاوز ہو جائے تو نظام غلط ہو جائے گا اور خیر سے شر وجود میں آ جائے گا۔ اسی طرح ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ ہے جن کا واقعہ صحیح بخاری میں آتا ہے۔ ایک نے کہا میں ساری رات نماز پڑھا کروں گا' اپنی کمر بستر سے نہیں لگاؤں گا۔ دوسرے نے کہا میں شادی بیاہ کا کھکھیڑ مول نہیں لوں گا۔ تیسرے نے کہا میں کبھی ناغہ نہیں کروں گا' ہر روز روزہ رکھوں گا۔ لیکن جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے بڑی سختی کے ساتھ ان کو منع کیا۔ اس حدیث میں حضور ﷺ کا طرزِ عمل سامنے آتا ہے کہ آپؐ نہایت غضب ناک ہوئے' یہاں تک کہ یہ غیر معمولی الفاظ ارشاد فرمائے: ''خدا کی قسم میں تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہوں' تم میں سب سے بڑھ کر اللہ کی خشیت رکھنے والا ہوں' لیکن میرا طریقہ یہ ہے کہ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں' میں روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں' اور میں نے عورتوں سے شادیاں بھی کی ہیں۔''

اس کی ایک مثال میں اور دوں گا جس کا تعلق ہمارے معاشی نظام کے ساتھ ہے۔ ہماری دو اخلاقی قدریں ہیں' ایک ہے عفو اور ایک ہے قصاص۔ عفو کی اپنی اہمیت ہے کہ کسی نے آپ پر زیادتی کی ہے تو آپ اس کو معاف کر دیں۔ انفرادی ترفع اور روحانی ترقی اسی میں ہے' بشرطیکہ آپ قصاص یا انتقام لینے پر قادر ہوں۔ اگر آپ میں طاقت ہی نہیں ہے تو ''قہر درویش بر جانِ درویش'' کے مصداق ایک مجبوری کی کیفیت ہے' لیکن اگر آپ قصاص اور انتقام لینے پر قادر ہوں اور پھر بھی نہ لیں تو اس سے جو ترفع ہوگا' روحانی ترقی ہوگی اور آپ کا انفرادی ارتقاء

ہوگا وہ نہایت قیمتی ہے: ﴿وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التغابن) ''اور اگر تم معاف کر دیا کرو' چشم پوشی سے کام لیا کرو اور بخش دیا کرو تو اللہ غفور رحیم ہے''۔ کس قدر زوردار ترغیب وتشویق ہے عفو کی۔ دوسری طرف قصاص کے متعلق فرمایا: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (البقرۃ:۱۷۹) ''اے ہوش مندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے''۔ اگر آپ نے قصاص کو اپنے نظام سے خارج کر دیا تو معاشرہ بگڑ جائے گا' شریروں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اس نے آج آپ پر زیادتی کی' لیکن کوئی پکڑ نہیں ہوئی' کسی طرح کی سزا نہیں ملی تو اس کا حوصلہ اور بڑھے گا اور وہ کسی اور پر بھی زیادتی کرے گا: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝﴾ (العلق) ''یقیناً انسان اس بنا پر سرکشی کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے''۔ آج اس نے آپ کو ایک تھپڑ رسید کیا تھا کل کسی اور کو لگائے گا' لیکن اگر اسے اس کا بدلہ مل جائے تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے اور معاشرے کے اندر اصلاح کی شکل پیدا ہوگی۔

اب یہ دو متضاد چیزیں ہیں' ان میں توازن کیسے آئے؟ واقعہ یہ ہے کہ انفرادی اخلاقیات میں بھی نبی اکرم ﷺ کا جو اصل حصہ (contribution) اور آپؐ کا جو اصل کمال ہے وہ علیحدہ علیحدہ اخلاقی قدروں کے ضمن میں نہیں بلکہ اس میں ہے کہ آپؐ نے ان تمام اخلاقی اقدار (moral values) کو ایک حسین توازن اور بڑے اعتدال و جامعیت کے ساتھ اپنی شخصیت کے اندر سمو دیا ہے۔ یہ عدل و اعتدال اور یہ توازن درحقیقت اصل کمال ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ چنانچہ آپ غور کریں۔ استقامت کو لیں تو حضرت نوح علیہ السلام سے آگے یہ قدر آپ کہاں تلاش کر سکیں گے؟ اللہ کا ایک بندہ ساڑھے نو سو برس تک دعوت الی اللہ پر استقامت دکھا رہا ہے۔ استہزاء ہے' تمسخر ہے' مذاق اڑایا جا رہا ہے' مخالفت ہے' لیکن پھر بھی وہ اللہ کا بندہ صدیوں تک ڈٹا ہوا ہے۔ اسی طرح تسلیم و رضا میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے آگے کس کا مقام ہے کہ اللہ کی رضا پر سرِ تسلیم خم کیے ہوئے قربان ہونے کو تیار ہو گئے: ﴿يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت) ع ''سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے''۔ زہد' ورع اور لذاتِ دنیا سے کنارہ کشی میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے آگے کون جائے گا؟ انہوں نے تو شادی ہی نہیں کی۔ یوں سمجھئے کہ ہر اعتبار سے لذاتِ دُنیوی سے کنارہ کشی کی انتہا آپ کو ان دونوں حضرات علیہما السلام میں نظر آئے گی۔ صبر میں حضرت ایوب علیہ السلام سے آگے کس کا مقام ہے کہ ''صبرِ ایوب'' ضرب المثل ہے۔ لیکن محمد رسول

اللہ ﷺ کا کمال یہ ہے کہ آپؐ نے ان تمام اقدار کو جن میں بعض کے اندر ظاہری طور پر تضاد بھی پایا جاتا ہے عدل واعتدال اور توازن کے ساتھ اپنی شخصیت میں سمو دیا ہے۔

## اجتماعی نظام میں عدل

اس گفتگو سے میں جو نتیجہ اخذ کرنا چاہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ انسان انفرادی اخلاقیات میں بھی عدل واعتدال اور توازن کے اعتبار سے آسمانی ہدایت کا محتاج ہے اور اس سے بھی اہم تر اس کے لیے ایک اُسوۂ کاملہ اُسوۂ حسنہ ایک ایسی انسانی شخصیت ہے جس میں وہ تمام اخلاقی اقدار بتمام وکمال موجود ہوں اور جن میں عدل واعتدال بھی ہو توازن بھی ہو اور جامعیت بھی ہو۔ لیکن یہ معاملہ اجتماعی نظام میں اس سے کہیں زیادہ گھمبیر ہو جاتا ہے۔ یہاں کی پیچیدگیاں یہاں کے مسائل یہاں کے عقدہ ہائے لاینحل ایسے ہیں جن کو انسان کا ناخنِ تدبیر حل نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے وہ محتاج ہے گھٹنے ٹیک کر اپنے رب سے استدعا کرنے کا: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نوعِ انسانی کو تین بڑے عقدہ ہائے لاینحل (dilemmas) درپیش ہیں جو توازن کے متقاضی ہیں اور ان میں عدم توازن سے انسانی تمدن فساد اور بگاڑ کا شکار ہے۔ ان مسائل کے ضمن میں تین متضاد چیزوں کے مابین ایک کشاکش جاری ہے اور ان میں توازن کی تلاش میں ایک مسلسل جدوجہد نظر آتی ہے۔

پہلا مسئلہ : عورت بمقابلہ مرد: پہلے مسئلے کا تعلق انسان کی سماجی اور معاشرتی زندگی سے ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان حقوق وفرائض کا توازن ذرا اِدھر ہو گیا تو عورت ملکیت بن کر رہ گئی۔ جیسے بھیڑ بکری کسی کی ملکیت ہے ایسے ہی بیوی بھی ملکیت بن کر رہ گئی کہ اس کا کوئی قانونی تشخص نہیں کوئی قانونی حیثیت نہیں کوئی عزتِ نفس نہیں کوئی حقوق نہیں بلکہ ہماری زبان کے محاورے کے مطابق تو وہ جوتی کی نوک کے برابر ہو گئی۔ اور اگر معاملہ ذرا اُدھر ہو گیا تو شانہ بشانہ اور ہر اعتبار سے مساواتِ مرد وزن قائم ہو گئی بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر کوئی قلوپطرہ ہے جو قوموں کی قسمت کے فیصلے کرتی ہے۔ عورت اور مرد کے مابین آپ کو یہ افراط و تفریط ملے گی۔ اس مسئلہ میں نقطہ عدل واعتدال کی تلاش انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ : فرد بمقابلہ اجتماعیت: دوسرے مسئلے کا تعلق سیاسی نظام سے ہے اور وہ مسئلہ ہے: فرد بمقابلہ اجتماعیت۔ اجتماعیت کی مصلحتیں کچھ اور ہیں جبکہ فرد کی انفرادیت اور اس کی

آزادی کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ فرد کی آزادی کو کہاں تک ملحوظ رکھا جائے اور اجتماعی مفادات پر فرد کی آزادی کو کہاں تک قربان کیا جائے' ان کے درمیان کیا توازن (balance) ہو' اس مسئلہ میں بھی آپ کو ایک مسلسل جدّوجہد نظر آئے گی۔ اس لیے کہ ذرا اِدھر چلے جایئے تو مادر پدر آزادی اور آزادی کی وہ انتہا ہے کہ انسان جو چاہے کرے۔ وہ برہنہ ہو کر سڑک پر نکلنا چاہتا ہے تو اس کو حق حاصل ہونا چاہیے کیونکہ وہ آزاد ہے اور اس پر یہ قدغن کیوں ہو کہ وہ کپڑے پہنے؟ جیسے حیوانات مادر پدر آزاد ہیں کہ وہ جہاں اور جیسے چاہتے ہیں اپنے جنسی جذبے کی تسکین حاصل کر لیتے ہیں' ایسے ہی انسان کو بھی آزادی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے جذبات کی تسکین جہاں اور جس سے چاہے حاصل کر سکے۔ یہ خواہ مخواہ کی قدغنیں اور بندشیں سماج نے لگا دی ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر انسان کو اپنے معاملات میں قانون سازی کا مطلق اختیار حاصل ہو کہ وہ جو چاہے قانون بنائے۔ اگر کوئی سوسائٹی دو مردوں یا دو عورتوں کی شادی کو جائز قرار دینا چاہے تو کوئی روک ٹوک نہ ہو' کیونکہ وہ اپنے معاملات میں آزاد ہے۔ ایک طرف یہ مادر پدر آزادی ہے تو دوسری طرف ہمہ گیریت (totalitarion) کہ ایک معاشرہ' ایک نظام کی حاکمیت ہو' جس میں فرد کی آزادی کو بالکلیہ ختم کر کے اس کو اجتماعی مشین کا ایک بے جان پرزہ بنا دیا جائے جو اپنے ہر معاملے میں' حتیٰ کہ ذاتی معاملات میں بھی' معاشرے کے قانون کا پابند ہو اور اپنی مرضی سے کچھ نہ کر سکے۔ اس مسئلہ میں بھی آپ کو توازن کی ایک مسلسل کوشش نظر آئے گی۔

<u>تیسرا مسئلہ : سرمایہ بمقابلہ محنت</u>: تیسرا مسئلہ انتہائی پیچیدہ ہے اور اس نے درحقیقت کوئی تین سو سال سے نہایت شدت اختیار کر لی ہے' اور وہ ہے سرمایہ بمقابلہ محنت۔ صنعتی انقلاب نے مشین کی ایجاد سے اس مسئلے کو نہایت گھمبیر بنا دیا ہے۔ یہ مسئلہ پہلے بھی تھا مگر بڑا سادہ' اس کے اندر وہ پیچیدگیاں اور مشکلات نہ تھیں جو آج پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک سرمایہ دار ایک کارخانہ لگا کر ہزارہا لوگوں کی محنت سے انتفاع کر رہا ہے' اب اس سے جو پیداوار حاصل ہو رہی ہے اس کے ضمن میں یہ کیسے معین کیا جائے کہ اس میں سرمائے کا کتنا عمل دخل ہے اور محنت کا کتنا؟ اور پھر اس میں عدل وقسط کا تقاضا کیسے پورا کیا جائے؟ اس کھینچ تان میں بظاہر تو فریقین کو آزادی ہے۔ مزدور آزاد ہے' اگر اسے اس کی مرضی کے مطابق مزدوری مل رہی ہے تو کام کرے' ورنہ نہ کرے۔ اس طرح سرمایہ دار کو بھی آزادی ہے' چاہے وہ اپنا کارخانہ چلائے' چاہے اس کو بند کر دے۔ لیکن یہ آزادی کس قدر غیر مساوی (unequal) ہے کہ ایک سرمایہ دار کارخانے دار

سالہا سال بھی اپنا کارخانہ بند رکھے تب بھی اس کے بچوں کو فاقہ نہیں آئے گا' جبکہ مزدور کو اگر چند دن کام نہ ملے تو اس کے بچوں کو فاقہ آ جائے گا۔ اب اگر سرمایہ دار کو ذرا زیادہ حقوق دے دیں تو جدید اصطلاح میں یہ ''سرمایہ شاہی'' کا معاملہ ہو جاتا ہے اور ذرا سا مزدوروں کو زیادہ حق دے دیجئے تو کام رک جاتا ہے۔ اس کا تجربہ ہمارے ہاں ہو چکا ہے کہ ایک دور میں مزدور کو عزتِ نفس ملی اور اس کے حقوق کا زیادہ خیال رکھا گیا تو اس کا پہلا منفی نتیجہ یہ نکلا کہ مزدور نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

یہ اصل میں وہ تین عقدے اور پیچیدہ مسائل ہیں جن میں عدم توازن کا شدید احتمال پایا جاتا ہے اور اس کے لیے نوعِ انسانی کی اجتماعی جدّوجُہد (by hit & trial) جاری ہے کہ پہلے ایک نظام کو آزمانا پھر دوسرے کو آزمانا' پھر ایک کی کوکھ سے اس کی خامی کی وجہ سے اس کے ردِّعمل کا برآمد ہونا اور اس ردِّعمل کے نتیجے میں پھر کسی اور نظام کا سامنے آنا۔ گویا افراط و تفریط کے دھکے ہیں جو نوعِ انسانی مسلسل کھا رہی ہے۔

## نظاموں کی وحدت اور مختلف نظاموں کے نمائندہ الفاظ

اس ضمن میں ایک نکتہ اور سمجھ لیجیے۔ دنیا میں جو مختلف سماجی' معاشی اور سیاسی نظام موجود ہیں' ان تینوں کو اگرچہ ہم نے سمجھانے کے لیے علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے' لیکن یہ درحقیقت ایک وحدت اور ایک حیاتیاتی اکائی (organic hole) بن جاتے ہیں جس کو انگریزی میں Politico-Socio-Economic System سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان کے درمیان ''۔'' ڈالا جاتا ہے جو ان کو علیحدہ بھی ظاہر کرتا ہے اور جوڑتا بھی ہے۔ اس وقت دنیا میں جو دو پولٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم بالفعل قائم ہیں' ان میں سے ہر ایک کے کچھ ''کیچ ورڈز'' ہیں جو اُس نظام کے مرکزی خیال کی نمائندگی کرتے ہیں اور وہی ان نظاموں کے اندر تقدیم و تاخیر اور اولیت و ثانویت کو معین کرتے ہیں۔ ایک نظام کا نمائندہ لفظ (catch word) ہے آزادی (freedom) اور دوسرے نظام کا مساوات (equality)۔ یہ اقدار کس حد تک حاصل کی جا سکی ہیں' اس کو چھوڑ دیجیے' لیکن یہ ان کے نظاموں کی قدریں ہیں۔ کون کہے گا آزادی اچھی قدر نہیں اور کون کہے گا مساوات بری شے ہے؟

## اسلامی نظام کا مرکزی خیال: عدل وقسط

اگر ہم اسلامی نظام کا مرکزی خیال معین کرنا چاہیں تو وہ ہے عدل اور قسط' انفرادی اخلاق

میں بھی اور اجتماعی نظام میں بھی۔ یوں کہیے کہ اسلام آزادی اور مساوات کے درمیان بھی اعتدال قائم کرتا ہے' اس میں بھی توازن قائم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اجتماعی نظام کے لیے عدل وقسط کا لفظ بہت شدت کے ساتھ آیا ہے۔ سورۂ آل عمران' آیت ۱۸ میں اللہ تعالیٰ کی شان بایں الفاظ بیان ہوئی:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ﴾

''اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی (گواہی دی)۔ وہی انصاف قائم کرنے والا ہے۔''

سورۂ آل عمران کے بعد سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ دونوں مقامات پر فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ﴾ (النساء:۱۳۵)

''اے اہلِ ایمان' کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر۔''

اور:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ﴾ (المائدۃ:۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ۔''

قَامَ یَقُوْمُ بمعنی کھڑا ہونا اور اس سے قَوَّام فعال کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے بمعنی پوری طاقت سے' پورے اہتمام سے کھڑا ہونے والا۔ ان آیات میں قوّام کے ساتھ بالقسط آیا ہے تو معنی ہوگا: عدل کو قائم کرنے کے لیے پوری قوت اور پوری ہمت کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ! سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ کی مندرجہ بالا آیات میں الفاظ کی ترتیب تھوڑی مختلف ہے لیکن دونوں کا مضمون ایک ہے اور وہ ہے قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ☆۔

اس موضوع کا نقطۂ عروج سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ ہے' جو اس موضوع پر قرآن کی اہم ترین آیت ہے' جس میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی بعثت' کتابوں کا نزول' وحی کا اجراء' شریعت

☆ اس ترتیب کے بدلنے میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اللہ اور عدل وقسط گویا مترادف الفاظ ہیں۔ ایک جگہ حکم ہے ''گواہ بن جاؤ اللہ کے'' اور دوسری جگہ فرمایا: ''گواہ بن جاؤ قسط کے''۔ ایک جگہ فرمایا: ''کھڑے ہو جاؤ قسط (عدل وانصاف) کے لیے'' جبکہ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ ''کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے''۔ معلوم ہوا کہ اللہ اور قسط کے الفاظ جو ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں' آپس میں مترادف ہیں۔ (بیان القرآن' ج ۲' ص ۲۱۳) (مرتب)

کا عطا کیا جانا وغیرہم کا اصل ہدف اور ان کی غایت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو بیّنات کے ساتھ''۔ یعنی واضح نشانیوں کے ساتھ' معجزات کے ساتھ' واضح تعلیمات کے ساتھ۔ بیّنات کا لفظ سب کا احاطہ کرتا ہے۔ ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ ''اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب نازل کی اور میزان''۔ اور یہ سب کچھ کس لیے کیا: ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں''۔ اگر ایسا نہیں ہو رہا' کتاب کی محض تلاوت ہو رہی ہے' اس پر علمی مباحث ہو رہے ہیں' یا اس پر تحقیقی مضامین اور تصانیف شائع کی جا رہی ہیں تو درحقیقت اس کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو رہا۔ یہ تو سب تمہیدی مقدمات ہیں' درحقیقت ان چیزوں کا مقصود ہے: ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہو سکیں''۔

اس آیت میں دو الفاظ کتاب اور میزان آئے ہیں' جبکہ سورۃ الشوریٰ میں بھی یہی مضمون بایں الفاظ آیا ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ﴾ (آیت ۱۷) ''اللہ وہ ہے جس نے کتاب اور میزان اُتاری حق کے ساتھ''۔ اس آیت سے دو آیات پہلے فرمایا: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (آیت ۱۵) ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں''۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں صرف واعظ بن کر آیا ہوں' مبلغ بن کر آیا ہوں' مربی اور مزکی بن کر آیا ہوں۔ یہ سارے کام بھی مجھے کرنے ہیں لیکن ان سارے کاموں کی منزل اور اس کا ہدف یہ ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں۔

اسی سورۃ الشوریٰ میں ذرا اور آگے جا کر ایک مضمون آیا ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے وہ بدلہ اور انتقام لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں' اس پر کوئی الزام نہیں: ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ ''اور جو کوئی اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں''۔ ﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''بے شک الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔ ان ہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے''۔ وہ حق تلفی اور ظلم چاہے سیاسی جبر کی شکل میں ہو یا معاشی استحصال کی شکل میں یا سماجی سطح پر discrimination اور اونچ نیچ کی شکل میں' وہ ملامت کے حق دار ہیں۔ باقی جن پر ظلم کیا گیا ہو اگر وہ بدلہ لیں تو ان پر کسی قسم کی کوئی ملامت نہیں ہے۔ اس بات کو سورۃ النساء

میں اس طرح فرمایا گیا: ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (آیت ۱۴۸) ''اللہ کو کسی بُری بات کا بلند آواز سے کیا جانا پسند نہیں ہے مگر اس شخص کے لیے جس پر ظلم ہوا ہو''۔ اگر مظلوم کی زبان سے جو آہ نکل رہی ہے اس میں حد اعتدال سے تجاوز ہو جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا' اس لیے کہ اس پر ظلم ہوا ہے۔

## ''نظام'' ایک جدید اصطلاح

''اسلام کا نظامِ حیات'' یا ''نظامِ عدل اجتماعی'' یا ''نظامِ عدل وقسط'' کے ضمن میں ایک اور بات عرض کرتا چلوں کہ یہ ''نظام'' کا تصوّر ایک جدید تصوّر ہے۔ نظام کا لفظ قرآن اور حدیث دونوں میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہمیں دیا ہے وہ اوامر ونواہی اور احکامِ شریعت ہیں اور استقلال' دوام اور اصل اہمیت ان احکام ہی کو حاصل ہے۔ ہم ان احکام کو جوڑ کر مربوط کر کے' ربط قائم کر کے اپنے فہم اور سمجھ کے مطابق ایک نظام پیش کرتے ہیں' مثلاً وہ احکام اور اوامر ونواہی جو معاشرتی زندگی سے متعلق ہیں انہیں ہم جمع کریں گے اور کہیں گے یہ اسلام کا معاشرتی نظام ہے' حالانکہ قرآن مجید میں اسلام کے معاشرتی نظام کا کوئی الگ باب (chapter) نہیں ہے اور حدیث کے مجموعوں میں بھی معاشرتی نظام کا علیحدہ باب موجود نہیں ہے۔ اسی طرح سے مالی امور سے متعلق احکام میں کچھ چیزیں حرام کی گئی ہیں' مثلاً سود' جوا وغیرہ' جبکہ کچھ چیزوں کی ترغیب دلائی گئی ہے' مثلاً انفاق فی سبیل اللہ اور کچھ چیزیں فرض کی گئی ہیں' مثلاً زکوٰۃ۔ فقہاء ان احکام کی درجہ بندی کرتے ہیں کہ کیا واجب ہے' کیا مستحب ہے' کیا مسنون ہے' کیا مکروہ ہے اور پھر مکروہ کی مزید تقسیم کہ کیا مکروہِ تنزیہی ہے' کیا مکروہ تحریمی ہے اور کیا حرام مطلق ہے۔ اس درجہ بندی کے لیے بڑے گہرے فہم اور تفقہ فی الدین کی ضرورت ہے۔ درحقیقت دین میں اصل اہمیت انہی احکام کی ہے۔ ان احکام کی حیثیت گویا ان اینٹوں کی ہے جن کو جوڑ کر ہم دیوار بناتے ہیں۔ کوئی معمار اینٹوں کو کسی انداز میں رکھنا پسند کرتا ہے اور کسی کی ترتیب کوئی اور ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلام کا معاشرتی نظام' اسلام کا سیاسی نظام' اسلام کا معاشی نظام جو ہم ان اینٹوں کو جوڑ کر بنا رہے ہیں' تو ان میں جو ربط اور ترتیب قائم کی گئی ہے وہ ہمارے اپنے ذہن کی پیداوار ہے' اس لیے اس میں خطا کا امکان ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک اینٹ جو بنیاد کی تھی اسے ہم نے چوٹی پر لگا دیا ہو' کوئی شے جو اہم ترتھی ہم نے اسے کم اہم سمجھ لیا ہو اور کوئی چیز جو ثانوی درجے کی تھی اس کو اوّلیت دے دی

ہو۔اس لیے ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اصل شے دین کے احکام اور شریعت کے اوامر و نواہی ہیں' جن پر ہمارے اسلاف نے بڑی محنتیں کی ہیں' پوری پوری زندگیاں کھپائی ہیں اور پھر ان کو مرتب اور مدوّن کیا ہے۔آج ہمارے علم میں ہے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جن پر سب متفق ہیں اور وہ کونسی چیزیں ہیں جن میں اختلاف ہے۔اگر اختلاف ہے تو کس اصول اور کس بنیاد پر ہے' کن اصولِ فقہ سے یہ استنباط ہوا ہے اور یہ رائے وجود میں آئی ہے۔یہ ہمارا بہت بڑا علمی ذخیرہ اور بہت بڑا علمی ورثہ ہے' اور اصل شے وہی ہے۔باقی جو ہم ربط و ترتیب کے نظم میں پرو کر ایک نظام وجود میں لاتے ہیں اس کے بارے میں ہمیشہ یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہ ترتیب ہمارے ذہن کی تخلیق ہے' اس میں ہماری سوچ' ہماری ترجیحات' ہمارا ذوق و شوق اور ہمارا مزاج لازماً اثر انداز ہوا ہے۔لہٰذا اس کے ربط و ترتیب میں غلطی کا امکان ہے۔

## معاشرتی نظام کی خصوصی اہمیت

ان تین (معاشرتی' معاشی اور سیاسی) نظاموں کی ترتیب کے حوالے سے میں ایک بات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔اگر ہم اجتماعیت کی تین منزلیں قرار دیں تو اس کی پہلی اور بنیادی منزل عائلی اور معاشرتی نظام ہے۔یہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان قدیم ہے۔یہ انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا تھا۔قرآن حکیم میں رشتہ ازدواج کے متعلق فرمایا گیا: ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ (النساء:۱) ''پیدا کیا اسی میں سے اس کا جوڑا''۔یہ جو مرد اور عورت کے حقوق و فرائض کے توازن کے حوالے سے مَیں نے مسئلہ بیان کیا وہ قدیم ترین مسئلہ ہے۔آپ پولیٹکل سائنس میں تمدنی اور عمرانی ارتقا کے متعلق پڑھتے ہیں' اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ارتقا ہوتا چلا آ رہا ہے اور قرآن کے نزول کے بعد بھی اس کا ارتقائی عمل جاری رہا ہے۔اس کے برعکس معاشی معاملات اور ذرائع پیداوار وغیرہ جیسے مسائل بہت بعد میں وجود میں آئے ہیں۔صنعتی انقلاب تو قرآن مجید کے نزول کے ایک ہزار برس بعد آ رہا ہے۔لہٰذا معاشی اور سیاسی نظاموں کے بارے میں قرآن مجید نے زیادہ تر صرف اصول دیے ہیں۔

میرے ذہن میں ان نظاموں کے حوالے سے ترتیب یہ ہے کہ قرآن حکیم نے عائلی اور سماجی نظام کے لیے تفصیلی احکام دیے ہیں' بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مکمل نظام دیا ہے۔اس کو بھی اگر دو حصوں یعنی عائلی نظام اور معاشرتی نظام میں تقسیم کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے عائلی نظام پر مکمل قانون دیا ہے۔جتنی مفصل بحثیں قرآن میں اس موضوع کے عملی معاملات

سے متعلق آئی ہیں' کسی اور موضوع سے متعلق نہیں آئیں۔ عائلی قوانین مثلاً طلاق' عدت' مہر' رضاعت' پھر طلاق کی مختلف شکلیں' یہ تمام معاملات قرآن میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں تقریباً چار رکوع' پھر سورۃ النساء' سورۃ النور' سورۃ الاحزاب' سورۃ المجادلہ' سورۃ الممتحنہ اور سورۃ الطلاق میں عائلی و معاشرتی قوانین سے متعلق اتنی طویل بحثیں اور تفصیلی احکامات آئے ہیں کہ زندگی کے کسی اور گوشے سے متعلق قرآن مجید میں آپ اتنی تفصیل نہیں پائیں گے۔ لہٰذا جہاں تک عائلی نظام ہے وہ تو مکمل تفصیلات کے ساتھ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اسی طرح معاشرتی نظام کے ضمن میں بھی کافی تفصیلی احکام موجود ہیں۔ لیکن معاشی نظام کے متعلق قرآن میں زیادہ تر اصول بیان ہوئے ہیں جبکہ چند ایک احکام موجود ہیں' مثلاً سود کی حرمت' زکوٰۃ کی فرضیت' جوئے کی حرمت' لین دین کے معاملات وغیرہ۔ جہاں تک سیاسی نظام کا تعلق ہے اس ضمن میں تو میرے نزدیک قرآن میں حکم کوئی بھی نہیں آیا' کوئی ڈھانچہ سرے سے دیا ہی نہیں گیا' صرف اصول دیے گئے ہیں۔

تو یہ اہمیت ہے معاشرتی نظام کی۔ اس پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ؎

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج!

جب بنیادی منزل یہی ہے تو اس میں اگر ٹیڑھ آ جائے گا تو اوپر کی ساری تعمیر ٹیڑھی ہوگی۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ نظام قدیم ترین بھی ہے' یہ اجتماعیت کی کوئی نئی شکل نہیں۔ مرد اور عورت کا معاملہ جیسا پہلے تھا ویسا آج بھی ہے' اس میں کوئی نئی جہت (dimension) کا اضافہ نہیں ہوا۔

## معاشرتی نظام کی اساسِ اوّل: مساواتِ انسانی

معاشرتی نظام کی اہمیت کو بیان کرنے کے بعد اب ہم معاشرتی نظام کی اساسِ اوّل کی طرف بڑھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ اسی حوالے سے انسان پر ظلم ہوا ہے اور آج تک ہو رہا ہے۔ اس کی اساسِ اوّل ہے: سماجی سطح پر کامل انسانی مساوات کہ تمام انسان پیدائشی طور پر مساوی ہیں' کوئی اونچا نہیں کوئی نیچا نہیں' کوئی اعلیٰ نہیں کوئی ادنیٰ نہیں' کوئی افضل نہیں کوئی مفضول نہیں' انسانیت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ میں یہ لفظ نوٹ کرا رہا ہوں پیدائشی طور پر' یعنی شکل وصورت' رنگ ونسل اور زبان کے اعتبار سے سب انسان برابری

کی سطح پر ہیں۔ پیدائشی طور پر ایک اور اہم چیز ہے ''جنس'' یعنی مرد اور عورت ہونے کے اعتبار سے بھی شرفِ انسانیت میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ پیدائشی چیزوں میں سب برابری کی سطح پر ہیں۔ پھر یہ کہ اکتسابی چیزوں میں بھی پیشے وغیرہ کی حد تک کوئی ادنیٰ نہیں کوئی اعلیٰ نہیں۔ ان تمام پہلوؤں سے شرفِ انسانیت میں کامل مساوات ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ عدم مساوات انسانی دنیا میں قدیم ترین ظلم ہے جو انسانوں پر ہوا ہے۔ ہندوستانی تہذیب میں پیدائشی طور پر انسانوں کی تقسیم کی گئی ہے کہ یہ برہمن ہے' اس کے حقوق زیادہ ہیں اور یہ شودر ہے جسے معاشرے میں جانوروں سے بدتر قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح رنگت کی بنیاد پر بھی معاشرتی تفریق موجود ہے' مثلاً امریکہ میں آج بھی رنگت کے اعتبار سے انسانوں کو حقوق دیے جاتے ہیں۔ وہاں تعلیم اور قانون وغیرہ کے ذریعے بڑی جدوجہد کی گئی ہے کہ رنگ کی بنیاد پر جو تفریق (discrimination) ہے یہ ختم ہو جائے' لیکن یہ تصور ان کے احساسات میں اس طرح رچا بسا ہوا ہے کہ ان کے دلوں سے نکلتا نہیں۔ ایک حجاب ہے جو ان کے دل و دماغ پر طاری ہے کہ من دیگرم تو دیگری' یہ اور ہے وہ اور ہے' یہ اعلیٰ ہے یہ ادنیٰ ہے' یہ اونچا ہے یہ نیچا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید کا انقلابی پیغام سورۃ الحجرات کی آیت ۱۳ میں دیا گیا ہے' جو میں نے خطاب کے شروع میں تلاوت کی تھی:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾ (الحجرات)

''اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے یقیناً اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت کا دار و مدار تقویٰ پر اور سیرت و کردار پر ہے۔ یعنی ایمان کا جو نتیجہ انسان کی انفرادی سیرت' شخصیت' اخلاق اور کردار میں نکلا ہے اس کی بنا پر انسانوں کی درجہ بندی ہے' ورنہ تو سب بنی نوع انسان ایک انسانی جوڑے حضرت آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو قوموں میں تقسیم کر دیا' رنگتیں جدا کر دیں' ناک نقشے بدل دیے' اکتاہٹ کا شکار کرنے والی یکسانیت (monotony) نہیں رکھی۔ اس لیے یہاں رنگا رنگی ہے' جو اللہ کی خلاقی اور قوتِ تخلیق کا ایک مظہر ہے' لیکن ان میں سے کوئی شے کسی شرف' عزت اور کسی اعلیٰ و ادنیٰ کی

تقسیم کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ اگر کسی معاشرے یا تہذیب میں ایسی کوئی تقسیم یا معاشرتی تفریق ہے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

احادیث نبویہ میں بھی کامل انسانی مساوات کے انقلابی پیغام کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((یَاأَیُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاکُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلَی أَعْجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلَی عَرَبِیٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَی أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَی أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰی))(۱)

''لوگو! آگاہ ہو جاؤ' یقیناً تمہارا ربّ ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ خبردار! نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر' اور نہ کسی سرخ وسفید رنگت والے کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی سیاہ فام کو کسی سرخ وسفید رنگت والے پر' مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔''

اس حدیث کے حوالے سے میں کبھی حیران ہوا کرتا تھا کہ کیا دنیا میں سیاہ رنگت بھی کبھی فضیلت کا باعث سمجھی گئی ہوگی؟ تو میرا یہ اشکال امریکہ جا کر حل ہوا۔ وہاں ایفرو امریکنز کے اندر یہ خیال بڑا راسخ اور پختہ ہے کہ ہم افضل ہیں اور مکمل وجود ہمارا ہے جبکہ یہ گورے گھٹیا اور نامکمل ہیں۔ چنانچہ مجھ پر حدیث نبویؐ کی عظمت مزید منکشف ہوئی کہ حضور ﷺ نے وہ بات بھی فرمائی تھی کہ کسی کالے کو بھی کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ حدیث کے آخر میں فرمایا: ((إِلَّا بِالتَّقْوٰی)) یعنی فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے' اسی بنیاد پر کوئی اعلیٰ وافضل ہو سکتا ہے۔ متذکرہ بالا آیت مبارکہ کے آخر میں بھی تقویٰ کا ذکر ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ یہاں یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ تقویٰ ایک مخفی حقیقت ہے' جیسے حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے دستِ مبارک سے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ((اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا' اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا)) ''تقویٰ تو یہاں ہے''۔ یہ تقویٰ جس میں زیادہ ہے وہی اللہ کے ہاں زیادہ فضیلت والا ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں فرمایا کہ لوگو ابوبکر کو جو تم پر فضیلت ہے وہ اس کی نمازوں' روزوں اور عبادت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس شے کی بنیاد پر ہے جو اس کے یہاں ہے اور دل کی طرف اشارہ فرمایا۔ یعنی ایمان' اخلاص' تقویٰ اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا والہانہ انداز اصل فضیلت والی

(۱) مسند احمد' ح ۲۲۹۷۸' شعب الایمان للبیهقی ۱۸۲۰/٤۔ صحیح الترغیب للالبانی' ح ۲۹٦٤۔ راوی: جابر بن عبد اللہ الانصاری۔

شے ہے۔

## اسلامی مساوات پر ایچ جی ویلز کا حضور ﷺ کو خراجِ تحسین

ایچ جی ویلز (۱۸۶۶ء۔۱۹۴۶ء) نے اپنی کتاب "A Concise History of the World" میں "Muhammad and Islam" کے عنوان سے پورا ایک باب شامل کیا ہے۔ اس میں اُس نے حضور ﷺ کی ازدواجی زندگی اور تعددِ ازدواج پر رکیک حملے بھی کیے ہیں۔ اس حوالے سے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ مغربی ذہن، خاص طور پر عیسائی ذہن حضور ﷺ کی ازدواجی زندگی اور تعددِ ازدواج کو قبول کر ہی نہیں سکتا' یہ کڑوی گولی ان کے حلق سے اترتی نہیں' اس لیے کہ ان کے آئیڈیل حضرت مسیح اور حضرت یحییٰ علیہما السلام ہیں اور انہوں نے ایک بھی شادی نہیں کی تھی۔ چنانچہ ان عیسائیوں کا تصور تو یہ ہے کہ شادی کرنا ہی گھٹیا کام ہے' اس لیے کہ اصل روحانی زندگی اور اللہ والوں کی زندگی تو ان کی ہوگی جو تجرد کی زندگی گزاریں اور گھر گرہستی کا کھکھیڑ ہی مول نہ لیں۔ ایک شادی ہی ان کے حلق سے بمشکل اُترتی ہے تو متعدد شادیاں کیسے اُتر سکتی ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ ان عیسائیوں کے دلوں میں حضور ﷺ کے لیے شدید بغض ہے۔

یہی متشدد مصنف ایچ جی ویلز اس باب میں جب "The Teachings of Islam" پر پہنچتا ہے اور خطبۂ حجۃ الوداع کا ذکر کرتا ہے تو حضور ﷺ کی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر خراجِ تحسین ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ سچ ہے کہ "اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ" یعنی اصل فضیلت تو وہ ہے جس کا اعتراف دشمن کرے۔ ایچ جی ویلز خطبۂ حجۃ الوداع کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

> *"Although the sermons of human freedom, fraternity and equality were said before. We find a lot of these sermons in Jesus of Nazareth, but it must be admitted that it was Muhammad who for the first time in history established a society based on these principles."*

"اگرچہ انسانی حریت' اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے بارے میں مسیح ناصری کے ہاں بھی بہت سے مواعظ حسنہ ملتے ہیں' لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ صرف محمد عربی (ﷺ) تھے جنہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ بالفعل ایک باضابطہ معاشرہ انہی اصولوں پر قائم

کر کے دکھایا۔''

اس حوالے سے میں تھوڑی سی وضاحت مزید کر دوں کہ اس کتاب کے جو نئے ایڈیشن شائع ہوئے ہیں ان میں حضور ﷺ کی مدح میں ایچ جی ویلز کی طرف سے لکھے گئے مندرجہ بالا جملوں کو نئے مرتبین اور ایڈیٹرز نے حذف کر دیا ہے۔ یہ جملے ان کے حلق سے نیچے نہیں اُتر پائے۔ لیکن آپ کو کسی پرانی لائبریری سے اس کتاب کا پرانا ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۲۰ء) مل سکتا ہے جس میں یہ الفاظ بعینہٖ موجود ہیں۔ میں نے کراچی یونیورسٹی کی لائبریری سے اس کتاب کا پرانا ایڈیشن حاصل کیا تھا' جس میں جوں کے توں یہ الفاظ موجود ہیں اور مجھے امید ہے کہ اب بھی کراچی یونیورسٹی میں یہ ایڈیشن موجود ہوگا☆۔

## اسلامی معاشرہ کی بنیاد: اسلام

اگرچہ تمام انسان شرف انسانیت میں مساوی ہیں لیکن اسلامی معاشرہ انسانوں میں ایک فرق و تمیز کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ وہ فرق اور تمیز رنگ و نسل' زبان اور علاقے کی بنیاد پر نہیں' بلکہ وہ نظریہ اور ایمان کی بنیاد پر ہے۔ یعنی ایمان لانے والے مؤمن اور انکار کرنے والے کافر آپس میں برابر نہیں ہیں۔ یہ دستوری اور قانونی فرق و تمیز ہے جو اسلام قائم کرتا ہے۔ اسلام کا معاشرہ اس معنی میں مخلوط نہیں ہے کہ نظریے اور عقیدے کا کوئی ریفرنس نہ ہو' اس لیے کہ اسلامی ریاست کی شہریت میں مسلمان اور غیر مسلم سب مساوی نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ بات جان لیجیے کہ اسلامی معاشرہ میں مسلم اور غیر مسلم کے اعتبار سے فرق و تفاوت ہوگا' ماننے والے ایک طرف ہوں گے اور نہ ماننے والے ایک طرف۔ یہ تقسیم اقرار باللسان کے درجے میں ہے۔ اسلام کی سطح پر اس تقسیم کے کئی قانونی نتائج اور مضمرات (implications) ہیں۔ اسلامی معاشرے کا سارا اوپر کا ڈھانچہ اور بنیادیں اسلامی اخوت کے اصول پر مبنی ہیں' جس کی بنیاد ''ایمان'' پر ہے۔ پھر اس ''ایمان'' کے دو حصے ہیں' ایک یقین قلبی ہے جو یہاں زیر بحث نہیں آئے گا' کیونکہ جب بھی دنیا کے اندر اسلامی معاشرہ بنے گا وہ اقرار باللسان کی بنیاد پر ہوگا۔ جو کوئی اللہ کو' قرآن کو' محمد ﷺ کی رسالت کو اور ان تمام بنیادی ایمانیات کو مانتا ہے جن کا ماننا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے' تو اس معاشرے میں وہ ایک مسلمان شمار ہوگا۔

انسانی مساوات کے بارے میں ابھی ہم نے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۳ کا مطالعہ کیا۔

☆ واضح رہے کہ اب یہ کتاب ''The Outline of History'' کے نام سے شائع ہوتی ہے۔

اس سورۃ کا نام بھی بڑا عجیب ہے۔ ''حجرات'' کا لفظی مطلب ہے گھروندے' کمرے یا حجرے۔ یہ درحقیقت معاشرے کی صحیح ترین تعبیر ہے' کیونکہ معاشرہ ان گھروں اور خاندانوں ہی سے وجود میں آتا ہے۔ ایک خاندان معاشرہ کی اکائی ہے۔ اگرچہ اس سورۃ کے نام کی اصل بنیاد تو یہی ہے کہ اس سورۃ میں یہ لفظ آیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ لیکن حجرات کے لفظی معنی کے اعتبار سے اس سورۃ کے اصل موضوع اور عنوان کے مابین ایک معنوی ربط قائم ہو گیا ہے۔ اس سورۃ کی آیت ۱۳ میں ارشاد ہوا کہ تمام انسان مساوی ہیں' شعوب اور قبائل کی تقسیم صرف تعارف کے لیے ہے' تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور یکسانیت نہ ہو۔ اگر سب انسانوں کی ایک ہی رنگت اور ایک ہی شکل وصورت ہوتی تو ہم کیسے پہچان سکتے تھے؟ اب ہمیں دُور سے نظر آ جاتا ہے کہ یہ کس نسل اور کس قوم کا آدمی چلا آ رہا ہے۔ دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا تاریخی پس منظر' سماجی پس منظر اور تہذیبی پس منظر یہ ہے اور یہ فلاں ملک کا رہنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگلی آیت میں فرمایا:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۴)

''یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبی ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے) جبکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

یہاں پر اسلام اور ایمان کا ذکر ہے۔ اسلام پہلی منزل ہے کہ زبان سے تم نے مان لیا لیکن مؤمن اور ایمان والا وہ ہے جس کے دل میں ایمان سرایت کر جائے۔ میں اس حوالے سے عرض کر رہا ہوں کہ اسلامی معاشرہ بنیادی طور پر مسلمان معاشرہ ہے۔

غیر مسلم کے حوالے سے اسلام نے دو درجے قائم کیے ہیں۔ اگر تو وہ متحارب ہے یعنی وہ آپ کی' آپ کے نظریات کی اور اللہ کے دین کی دشمنی کے اوپر تلا ہوا ہے تو اس کے ساتھ مقابلہ ہو گا۔ قرآن نے متحارب غیر مسلموں کے مقابلے میں مؤمنین کی یہ شان بیان کی: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ﴾ (الفتح:۲۹) ''کفار کے مقابلے میں بہت سخت ہیں''۔ ﴿اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ﴾ (المائدۃ:۵۴) ''(مسلمان کی شان یہ ہے کہ) وہ کافروں پر بہت بھاری ہے' بہت سخت ہے''۔ ﴿وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً﴾ (التوبہ:۱۲۳) ''چاہیے کہ تمہارے اندر وہ اپنے لیے سختی محسوس کریں''۔ یہ شان مؤمن کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ واضح رہے کہ کفار

کے لیے یہ سخت رویہ تب ہے جب وہ متحارب ہوں' لیکن اگر وہ متحارب نہیں ہیں تو ان کے ساتھ نیکی' بھلائی اور عدل وانصاف کا معاملہ رکھنے کا حکم ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کے ساتھ دوستی اور قلبی محبت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں کم از کم دس مقامات پر شدت کے ساتھ کفار کے ساتھ دوستی' مودّت اور قلبی محبت سے روکا گیا ہے۔ صرف سورۃ الممتحنہ کی ایک آیت میں غیر متحارب کفار کے لیے رعایت والی بات آئی ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾

''اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو تم سے تمہارے دین کے بارے میں لڑتے نہیں ہیں اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں' کہ تم ان سے نیکی اور انصاف کا معاملہ کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

اس آیت میں غیر متحارب کفار کے حوالے سے صرف یہ اجازت دی گئی ہے کہ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک اور انصاف والا معاملہ کرو۔ لیکن غیر مسلموں کے ساتھ قلبی محبت ومودّت کا تعلق قرآن سے کہیں ثابت نہیں ہوتا۔ اس فرق و تفاوت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے' جو درحقیقت آپ کی ایمانی غیرت کا تقاضا ہے۔ اگر وہ ڈھیلی پڑ گئی تو واقعہ یہ ہے کہ آپ کا معاشرتی معیار کمزور پڑ جائے گا' آپ کی ملت کی بنیاد منہدم ہو جائے گی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے لیے کچھ اور محسوس چیزیں ہیں جو ان کے معاشرے اور اجتماعیت کی اساس ہیں' جبکہ ہمارا تو سارا معاملہ ہی ہمارے عقائد پر قائم ہے۔ لہٰذا ان کفار کے معاملے میں ہماری غیرت وحمیت کے اندر کمی آئی تو درحقیقت اسلامی معاشرے کی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی۔

ہمارے معاشرہ کی بنیاد اسلام ہے' اس کا حوالہ قرآن وحدیث میں ملتا ہے۔ سورۃ الحجرات ہی میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ.....﴾ (آیت ۱۰) ''اہل ایمان تو بھائی بھائی ہیں''۔ اس ضمن میں بہت سی احادیث آئی ہیں' صرف علامت کے طور پر چند ایک ملاحظہ کیجیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: (۱) ((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ))(۱) ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے''۔ (۲) ((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ.....))(۲) ''مسلمان کے

(۱) صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب' باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تحریم الظلم۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب من حق المسلم علی المسلم رد السلام۔ وسنن الترمذی' ابواب الادب' باب ما جاء فی تشمیت العاطس۔

مسلمان پر چھ حقوق ہیں.....'' (۳) ((تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ .....))(۱) ''تم اہل ایمان کو باہمی رحم دلی' محبت اور ہمدردی میں ایک جسم کی مانند پاؤ گے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ بنیادی طور پر ہمارا معاشرہ نظریاتی معاشرہ ہے اور دوسری منزل پر جا کر اسی نظریاتی بنیاد پر اسلامی مملکت قائم ہوگی۔ اسلامی معاشرہ اس معنی میں مخلوط نہیں ہے کہ عقائد ونظریات کی تقسیم سے بھی بلند ہو جائے' بلکہ وہ بلند ہے رنگ اور نسل کی تقسیم سے اور ان تمام امتیازاتِ ظاہریہ کی تقسیم سے کہ جس پر دنیا کا انحصار ہے اور جو شرف وکرامت کی اساس بنا دیے گئے ہیں۔ لیکن نظریہ وعقیدہ کی بنیاد پر اسلام کا پورا قانونی نظام اور پورا معاشرتی ڈھانچہ ہے۔ ایک مسلمان مرد کی شادی مسلمان عورت سے ہوگی یا زیادہ سے زیادہ کتابیہ خاتون کے ساتھ' جبکہ مسلمان عورت کا غیر مسلم کے ساتھ نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہمارے اس قدر پختہ اصول ہیں' ہماری معاشرت کے لیے وہ بنیادیں ہیں کہ جن میں ذرا سی ڈھیل اختیار کی جائے گی تو اس سے سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

دستوری اور قانونی سطح پر مسلم اور غیر مسلم کے درمیان فرق کے حوالے سے یہ بات ضرور ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہاں بھی معاملہ افضلیت یا مفضولیت کا نہیں ہے۔ کسی کو بھی یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ میں مسلمان ہوں اس لیے کافر سے افضل ہوں' کیونکہ ایمان کی فضیلت اپنی جگہ مگر آدم کی اولاد ہونے کے ناطے کافر اور مسلم دونوں ایک ہی سطح پر ہیں۔

## اسلامی عائلی قوانین کے معاملے میں ہندوستانی مسلمانوں کی حساسیت

اس اعتبار سے میں واقعتاً ہندوستان کے مسلمانوں کو خراج تحسین پیش کرتا رہا ہوں اور آج پھر کرتا ہوں کہ انہوں نے اسلامی عائلی قوانین کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ وہاں ذرا سا ایک معاملہ پیش آیا تھا اور وہ بھی اسلامی قوانین کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی گئی تھی' بلکہ کلکتہ ہائی کورٹ کا ایک فیصلہ آ گیا تھا جس کا اثر اسلامی عائلی قوانین پر پڑ رہا تھا☆۔

(۱) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب رحمة الناس والبهائم۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب۔

☆ کلکتہ ہائی کورٹ نے شاہ بانو کیس میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ کوئی مسلمان اگر اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور وہ مطلقہ دوسری شادی نہ کرے تو جب تک وہ زندہ رہے گی اس کا نان نفقہ طلاق دینے والے کے ذمے رہے گا۔ اس پر بھارت کے مسلمانوں نے کہا کہ یہ ہماری شریعت اور عائلی قوانین میں دخل اندازی ہے' کیونکہ شریعت نے مطلقہ کے لیے صرف عدت تک نان ونفقہ کا حق رکھا ہے۔ (مرتب)

اس پر ہندوستان کے مسلمانوں کا اس قدر شدید ردِّعمل تھا کہ راجیو گاندھی کی گورنمنٹ کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور سپریم کورٹ کو یہ فیصلہ واپس لینا پڑا۔ وہاں تمام مسلمان اس معاملہ میں جس طرح متحد ہوئے' اس کی ایک مثال بھی پاکستان میں نہیں ملتی۔ ہم تو شریعت بل اور شریعت محاذ میں بھی اس طرح جمع نہیں ہو سکے تھے۔ وہاں پر شیعہ' سنّی' بریلوی' دیوبندی' اہلحدیث' جماعت اسلامی اور سب مسلمان ایک پلیٹ فارم (مسلم پرسنل لاء بورڈ) پر بلاتفریق جمع ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ مجھے بتایا گیا کہ جب سے وہاں پرسنل لاء بورڈ قائم ہوا' اس کے بعد سے ہندوستان کے مسلمان اس طرح ''بنیانِ مرصوص'' بن گئے کہ کہیں شیعہ سنی فساد بھی نہیں ہوا' حالانکہ اس سے پہلے کوئی ماہِ محرم ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں کوئی فساد نہ ہوا ہو۔ میں یقیناً انہیں سلام کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی صحیح بیداری کا ثبوت دیا ہے کہ ہماری یہ چار دیواری ہی تو باقی رہ گئی ہے' اس کے اندر اسلامی معاشرت کے تحفظ کا ابھی ہمارے پاس ایک ذریعہ موجود ہے۔ کہیں اگر یہ چار دیواری منہدم ہو گئی تو پھر ہمارا تشخص ختم ہو کر رہ جائے گا۔ بہرحال اس بحث کو میں علامہ اقبال کے ان دو اشعار پر ختم کر رہا ہوں: ؎

کُلُّ مُؤمِن اِخوَۃٌ اندر دلش
حریت سرمایۂ آب و گلش
ناشکیب امتیازات آمدہ
در نہادِ او مساوات آمدہ

## غیر مسلموں کے لیے خدمت خلق: دعوت الی اللہ

اس کے ضمن میں نوٹ کر لیجیے کہ سب سے بڑی خدمت خلق کیا ہے؟ بھوکے کو کھانا کھلانا اور مریض کا علاج معالجہ بھی خدمت خلق ہے' اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہو گی۔ لیکن سب سے بڑی خدمت خلق یہ ہے کہ جس دلدل میں وہ غیر مسلم پھنسے ہوئے ہیں وہاں سے ان کو نکالنے کی کوشش کی جائے' جس جہنم کی آگ کی طرف وہ بگٹٹ دوڑے جا رہے ہیں اس سے ان کو روکنے کی کوشش کی جائے' ان کو دعوت اِلی اللہ' دعوت اِلی الخیر اور تبلیغ دین کی جائے۔ یہ ان کی سب سے بڑی خدمت ہے' لیکن اس میں بھی بڑے توازن کی ضرورت ہے۔ خدمت خلق کا ایک تصور عالمگیر ہے کہ تمام معاشرے مشترک ہیں۔ جیسے میں نے گزشتہ خطاب میں عرض کیا

تھا کہ ایک وہ بنیادی انسانی اخلاقیات ہیں جو پوری نوعِ انسانی کی مشترک متاع ہے' اس کے اوپر مختلف نظامِ اخلاق تعمیر ہوتے ہیں۔ اس میں اصل بحث یہ ہوتی ہے کہ اخلاق کی قوتِ محرکہ (motivating force) کون سی ہے؟ اسی طرح خدمت خلق کا ایک تصور مشترک ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ' پیاسے کے لیے پانی کا انتظام کرو' جانوروں کے لیے بھی سبیلیں لگاؤ' پرانے زمانے میں کہا جاتا تھا کنویں کھدواؤ' سرائے بنواؤ' یتیموں کے لیے یتیم خانے بنواؤ' بیواؤں کی خبر گیری کا اہتمام کرو' علاج معالجے کا سامان کرو وغیرہم' یہ سب خدمت خلق میں شامل ہے۔ لیکن اسلام اور ایمان کے اعتبار سے خدمت خلق کا اس سے بھی بڑھ کر تصور یہ ہے کہ ان کی عاقبت سنوارنے کی کوشش کرو' ان کو دین کی طرف بلاؤ' ان کو اس ظلمت سے نکالو: ﴿يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (البقرۃ:۲۵۷) ''وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے''۔ جس کے لیے قرآن پاک میں آتا ہے: ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم:۶) ''بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے''۔ اور جس کے لیے حضور ﷺ فرما رہے تھے: ((يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا))(۱) ''اے فاطمہ! محمد (ﷺ) کی لختِ جگر! اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو' اس لیے کہ اللہ کے ہاں تمہارے باب میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے''۔ یہ اصل خدمت خلق ہے جو آپ مسلمان ان غیر مسلموں کے لیے کر سکتے ہیں' جس کا نتیجہ ابدی ہوگا اور وہ جہنم کی آگ کا ایندھن بننے سے بچ جائیں گے۔

## معاشرت کا نقطہ آغاز: رشتہ ازدواج

معاشرتی زندگی کا نقطہ آغاز رشتہ ازدواج ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ازدواج کا تعلق قائم ہوتا ہے جس سے نسل آگے چلتی ہے۔ اس میں ایک بڑا ٹیڑھا مسئلہ سامنے آجاتا ہے کہ اگر عورت اور مرد کو اس خاندان کے ادارے میں' جو انسانی معاشرے کی اکائی ہے' بالکل مساوی قرار دے دیا جائے تو نظم درہم برہم ہو جائے گا' خاندان کا نظام ٹوٹ پھوٹ کا

---

(۱) یہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق سے متعدد کتب احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ مثلاً: صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب فی قولہ: وانذر عشیرتك الاقربین۔ وسنن الترمذی' ابواب تفسیر القرآن' باب ومن سورۃ الشعراء۔ ومسند احمد' ح ۸۰۵۱۔

شکار ہو جائے گا۔ یہ ایک فطری اور سادہ سا اصول ہے جو ہر شعور رکھنے والا انسان جانتا ہے کہ کسی بھی ادارے کے دو سربراہ بالکل مساوی اختیارات رکھنے والے نہیں ہو سکتے' اگر ہوں گے تو فساد ہوگا' بربادی ہوگی' کوئی ڈسپلن نہیں ہوگا' کوئی نظم نہیں ہوگا' اور کسی بھی وقت سارا نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ اور یہ بھی جان لیجیے' جیسے ہمارے اپنے اندر کا امن اور ہمارے اندر کا ضبطِ نفس ہمارے اخلاق میں ظاہر ہوتا ہے اسی طرح اگر خاندان کے اندر نظم و ضبط اور ڈسپلن ہوگا تو اُسی کا عکس معاشرے میں نظر آئے گا' اور اگر خاندان کی چولیں ڈھیلی ہیں' نظم نہیں ہے' بدنظمی ہے تو پھر معاشرہ بدنظمی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا ان قباحتوں کے پیشِ نظر مرد و عورت کے مابین فرق قائم کرنا ایک لازمی امر ہے۔ اب فطری طور پر دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں' بیوی کو فوقیت دی جائے یا شوہر کو۔ اس لیے کہ دونوں کو مساوی نہیں رکھا جا سکتا۔ اس حوالے سے مغربی معاشرہ سب سے بڑے اندھے پن کا شکار ہے کہ جو بنیادی اور عقلِ عام پر مبنی حقیقت سے نہ صرف صرفِ نظر کیے ہوئے ہے بلکہ اس کو پوری دنیا میں بالفعل قائم کرنے کے لیے ایک مسلسل جدّوجُہد بھی کر رہا ہے۔ اہلِ مغرب نے مساواتِ مرد و زن کا بڑا ہی خوش نما نعرہ لگایا ہے اور اس تصور کو ذہنوں کے اوپر اس طرح مسلط کر دیا ہے کہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ خاندان کا ادارہ برباد ہو رہا ہے' معاشرے کی چولیں ڈھیلی ہو رہی ہیں' امن و سکون ختم ہو گیا ہے لیکن وہ کچھ کر نہیں پا رہے۔ ظاہر ہے اگر گھر کی فضا میں بیوی اور شوہر کے درمیان انتہائی گہرے اعتماد کا رشتہ نہیں ہے تو وہاں سکون کی کیفیت عنقا ہو جائے گی۔ نہ شوہر کو بیوی پر اعتماد ہو کہ وہ اس کی غیر حاضری میں کیا کرتی ہے اور نہ بیوی کو شوہر پر اعتماد ہو کہ وہ باہر جاتا ہے تو کیا کرتا ہے اور ان کے جنسی مراسم اور تعلقات کہاں کہاں ہیں' تو ایسا گھر جہنم بن جاتا ہے اور پھر اس جہنم کی فضا میں جو اولاد پرورش پاتی ہے اس میں بغاوت' منفی جذبات اور منفی رجحانات کا پیدا ہونا اس بے سکونی کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے ؎

فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور!

یعنی معاشرے میں یہ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (الروم:۴۱) کی کیفیت فرنگی اور مغربی معاشرت سے آئی ہے۔

اس خاندانی نظام کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے' گھر کی اس فضا میں امن و سکون' باہمی اعتماد اور وفاداری کا احساس پیدا کرنے کے لیے اسلام نے ایک عائلی نظام دیا ہے جس کو

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ نے ''تدبیرِ منزل'' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ گویا اجتماعیت کی پہلی سیڑھی ہے اور معاشرتی زندگی کا نقطۂ آغاز اور پہلا قدم ہے۔ اس کے لیے اسلام نے نہایت تفصیلی احکام دیے ہیں' جیسا کہ معاشرتی نظام کی اہمیت کے ذیل میں میں عرض کر چکا ہوں۔ لیکن ایسے محسوس ہوتا ہے کہ عورت کا اپنی ثانوی حیثیت کو قبول کرنا اور reconcile کرنا جتنا آج مشکل ہے' اتنا ہی ہمیشہ سے مشکل رہا ہے۔ عورت اپنی ثانوی حیثیت کو قبول کرنے کے لیے ذہناً تیار نہیں ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر جو شرفِ انسانیت ہے وہ اسے اس کی ثانوی اور درجہ دوم کی حیثیت قبول نہ کرنے پر ابھارتا ہے اور یہ ایک فطری تقاضا ہے کہ میں بھی انسان ہوں اور یہ بھی انسان ہے' فرق صرف اتنا ہے کہ یہ مرد ہے اور میں عورت' یعنی صرف جنس کا فرق ہے لیکن نوع تو ایک ہے' اس اعتبار سے مرد و زن میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔ اس لیے عورت اپنی ثانوی حیثیت کو قبول کرنے کے کو تیار نہیں ہوتی۔

## عرب معاشرہ میں عورت کا مقام

اس حوالے سے ایک اور بات بڑی عجیب محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں کچھ حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ شاید عرب معاشرہ (جس میں قرآن نازل ہوا' اور جس میں محمد ﷺ نے دعوت و تبلیغ کی اور پھر ایک انقلاب برپا کیا) میں عورت واقعتاً بالکل حقیر اور بے وقعت تھی' اس میں اپنی عزت اور اپنے مقام کا احساس تھا ہی نہیں! حالانکہ ایسا نہیں ہے' یہ مسئلہ جیسے آج شدید ہے ویسا ہی اس وقت بھی شدید تھا' البتہ یہ ضرور ہے کہ اُس زمانے میں بچیوں پر بچپن میں ظلم ہوتا تھا۔ وہ معصوم پھول جس نے چاہا مسل دیا اور جا کر خاک میں دبا دیا۔ یہ درحقیقت ان کی عزت کا غلط جاہلی تصور تھا۔ اس معاشرے میں جس کو بھی بشارت دی جاتی کہ اس کے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے تو وہ سوچتا کہ میں اس توہین اور بے عزتی کو کیسے برداشت کروں گا جو عنقریب ہو کر رہے گی کہ اس کو مجھے اپنے گھر سے رخصت کرنا ہوگا' کوئی میرا داماد بنے گا جو اس کو لے جائے گا' تو آیا میں اس توہین کو برداشت کرتے ہوئے اسے زندہ رکھوں یا اس کو مٹی میں دفن کر دوں! از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ﴾ (النحل:۵۹) ''کیا اس کو ذلت کے باوجود زندہ رکھے یا اس کو مٹی میں دبا دے''۔ یہ مسئلہ مجھے منفرد (isolated) معلوم ہوتا ہے' ورنہ اُس معاشرے میں بھی' میں دلیل سے ثابت کر رہا ہوں کہ عورت کا بھی اپنا ایک مقام اور قانونی تشخص تھا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل حضور ﷺ کی زوجۂ اوّل حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ

ہیں۔ کیا وہ دولت مند نہ تھیں؟ کیا وہ تجارت خود نہیں کرتی تھیں؟ کیا وہ مردوں کو ملازم نہیں رکھتی تھیں؟ کیا خود حضور ﷺ نے ابتداءً ان کے نمائندے اور ایجنٹ کی حیثیت سے معاوضے پر کام نہیں کیا؟ چنانچہ عرب معاشرے میں عورت کو اعلیٰ مقام اور قانونی تشخص حاصل تھا۔

اس حوالے سے دوسری دلیل یہ ہے کہ قریش کے بڑے بڑے رؤساء سردار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے خواہش مند تھے' حالانکہ وہ بیوہ تھیں۔ گویا وہاں بیوہ کے نکاح کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ پھر یہ کہ حضرت خدیجہؓ نے ان سرداروں کی درخواستوں کو از خود ٹھکرا دیا اور اپنی آزاد مرضی سے محمد عربی ﷺ کے ساتھ نکاح کیا۔ تو یہ نہ سمجھئے کہ اس معاشرے میں عورت کا معاملہ بس وہی تھا کہ بچیوں کو دفن کر دیا جاتا تھا' بلکہ عورت کا وہاں ایک مقام تھا۔ اس اعتبار سے میں سمجھتا ہوں کہ اُس وقت عرب کا جاہلی معاشرہ دنیا کے دوسرے تمام معاشروں سے بہتر پوزیشن میں تھا کہ وہاں عورت کو ایک قانونی تشخص حاصل تھا' شادی بیاہ کے معاملات میں اس کی مرضی کو دخل تھا کہ وہ شادی کی درخواست رد بھی کر سکتی تھی اور اپنی مرضی سے شادی کی درخواست قبول بھی کرتی تھی۔

## مرد کی قوامیت کے لیے تدریجی اسلوب

عرب معاشرہ میں عورت کو جو باعزت مقام حاصل تھا' اس حوالے سے میں نے جو دلائل دیے وہ صرف ایک عورت کے حوالے سے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک اور حوالے سے بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔ میں نے حرمت شراب اور مرد کی قوامیت کے اثبات میں ایک عجیب مشابہت و مماثلت پائی ہے کہ قرآن نے ان دونوں کے لیے تدریجی اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ معاشرہ شراب کا عادی تھا اور اسی طرح وہاں مساواتِ مرد و زن کا مسئلہ بھی شدید تھا' اس لیے قرآن نے تدریجاً شراب کی حرمت اور مرد کی قوامیت کو بیان کیا۔ حرمت شراب کو جس طریقے سے قرآن مجید نے تدریجاً اور قدم بہ قدم نافذ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور وہ برسہا برس سے پی رہے تھے۔ جن کی عمر ساٹھ برس تھی ان کو پیتے ہوئے پچاس برس ہو گئے تھے۔ اتنی پختہ عادت کے حوالے سے یہ آسان کام نہیں تھا کہ اس کو ایک ہی جھٹکے میں ختم کر دیا جائے۔ آج بھی یہ کہا جاتا ہے کہ شراب انسان کی عادت بن جاتی ہے اور اس کو اچانک ختم کر دینا انسان کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اُس وقت یہ کام تدریج کے ساتھ کیا گیا۔ سورۃ البقرۃ' آیت ۲۱۹ میں صرف اشارہ کیا گیا ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ﴾

''وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا نقصان ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے۔''

شراب ٹانک کے طور پر بھی استعمال کی جاتی ہے اور بطور stimulant بھی' اگر اسے تھوڑی مقدار میں لیا جائے۔ اور اگر زیادہ پی لی جائے تو نشہ پیدا کرے گی۔ اسی طرح شراب دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے اور یقیناً اُس وقت بھی دنیا کے اندر ہوتی ہو گی۔ اب بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر منفعت کے بہت سے پہلو ہیں۔ قرآن نے بھی کہا: ﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾۔ لیکن آگے فرمایا: ﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ﴾ ''اور ان کے نقصان' منفعت سے زیادہ ہیں''۔ یہ بس ایک اشارہ کر دیا گیا۔ اب جن کی حس بیدار ہو چکی تھی انہوں نے اشارے سے ہی بات پالی' اسی وقت تائب ہو گئے اور شراب کو چھوڑ دیا۔

اس حکم کے بعد دوسرا حکم آیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء: ٤٣) ''اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کرو' یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جو تم کہہ رہے ہو''۔ اُس وقت تک اہل ایمان میں نماز سے اُنس پیدا ہو چکا تھا' لہٰذا نماز کو استعمال کیا گیا اس عادت کو چھڑوانے کے لیے کہ ایک مسلمان سوچے کہ یہ وہ چیز ہے جو مجھے نماز سے محروم کر سکتی ہے' اس لیے مجھے اس سے دور رہنا چاہیے۔ اس کے بعد سورۃ المائدۃ کے اندر یہ آخری حکم آیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿٩٠﴾﴾

''اے اہل ایمان! یقیناً شراب اور جوا' بت اور پانسے' یہ سب گندے کام ہیں شیطان کے عمل میں سے' تو ان سے بچ کر رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

اگلی آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴿٩١﴾﴾ پس تم چھوڑتے ہو کہ نہیں' باز آتے ہو کہ نہیں؟ کیونکہ یہ عملِ شیطان میں سے ہے' یہ نجس اعمال میں سے ہے۔

جس طرح شراب کی حرمت کے بارے میں اور اس پختہ عادت کو چھڑانے کے لیے تدریجاً احکام نازل ہوئے بالکل اسی طرح مرد کی قوامیت کو عورت کے حلق سے اُتارنے کے لیے قرآن مجید نے تدریجی طریق کار اختیار کیا ہے' یعنی مختلف مراحل سے گزار کر' ذہنوں کو تیار

کرنے اور طبائع کو آمادہ کرنے کا عمل پورا کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ کڑوی گولی حلق سے نیچے نہیں اُترتی۔ آج بھی عورت اس کو برضا و رغبت تسلیم اور reconcile نہیں کرتی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ (جسے میں بیان کر چکا ہوں) یہ ہے کہ شرفِ انسانیت خود اپنی جگہ مدعی ہے کہ انسان ہونے کے ناطے وہ برابر ہے۔ لیکن یہ جو مرد اور عورت کے درمیان عدم مساوات کی انتظامی ضرورت ہے اس کو کس طرح ذہنوں میں اُتارا گیا' اس کے چند اشارے آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

مرد کی قوامیت کے اثبات کا پہلا مرحلہ: پہلے تو ایک تسلی و تشفی دی گئی کہ گھبراؤ نہیں' اصل مساوات تو انسانی مساوات ہے' اصل مساوات اخلاقی مساوات ہے' خیر و شر پر معاملات کھلے ہوئے ہیں' نیکیوں کا میدان آپ کے سامنے ہے' مرد بھی اور عورت بھی جو چاہے کمائی کریں' نیکی کمائیں' ان کے حصہ کو کسی صورت ضائع نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں فرمایا: ﴿اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾ ''میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا چاہے وہ مرد ہو یا عورت''۔ یعنی کسی بھی نیکی کے کام اور اکتسابِ خیر کرنے والے کی کسی کوشش کو میں ضائع کرنے والا نہیں ہوں' چاہے وہ کوئی مرد ہو یا عورت۔ پھر بڑی پیاری بات کہی کہ: ﴿بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ ''تم سب ایک دوسرے میں سے تو ہو''۔ یعنی ایک ہی باپ کے صلب سے بیٹا بھی ہے بیٹی بھی۔ اسی طرح ایک ہی ماں کے بطن میں بیٹا بھی پرورش پا رہا ہے اور بیٹی بھی۔ آگے فرمایا:

﴿فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (آیت ۱۹۵)

''پس جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے (میری راہ میں) جنگ کی اور جانیں بھی دیں' میں لازماً ان سے ان کی برائیوں کو دور کروں گا اور داخل کروں گا انہیں ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

یہاں یہ بتا دیا گیا کہ خیر کے دروازے سب کے لیے یکساں کھلے ہیں' چاہے کوئی مرد ہو یا عورت' ہر کوئی اس میں سے اپنی استطاعت اور کوشش کے بقدر حصہ لے سکتا ہے اور اس کے حصے کو ضائع نہیں کیا جائے گا۔ انگریزی کی ایک نظم یاد آ رہی ہے جو میں نے میٹرک میں پڑھی

تھی، جس کا عنوان تھا: ''Charity''

*Charities that soothe and heal and bless.*
*Are scattered over the feet of men like flowers.*
*No mystery is here no special boon.*
*For the high and not for the low.*
*The smoke ascends as high from the hearth of a humble cottage.*
*As from that of a haughty palace.*

''وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں جو سکون بخشتی ہیں اور زخموں کو مندمل کرتی ہیں اور رحمت کا باعث بنتی ہیں، انسان کے قدموں پر پھولوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں۔ اس معاملے میں نہ کوئی راز کی بات ہے اور نہ ہی کسی پر خصوصی نوازش و کرم، بلکہ ان کا معاملہ بالکل اس دھوئیں کی مانند ہے جو کسی غریب کی کٹیا کے چولہے سے بھی اسی طرح بلند ہوتا ہے جیسے کسی مغرور انسان کے محل کے آتشدان سے!''

آگ چاہے کسی محل میں جلے چاہے کسی غریب کی کٹیا میں دھواں تو برابر اوپر جا رہا ہے۔ اسی طرح حسنات، خیرات، نیکیاں، بھلائیاں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ امیر اور غریب کے اندر امتیاز نہیں ہے۔ یہ پھول سب کے سامنے بکھرے ہوئے ہیں، گلشن گلشن پھول کھلے ہوئے ہیں، چاہے مرد ان سے اپنا دامن بھر لے اور چاہے عورت ان کو اپنے دامن میں سمیٹ لے۔ سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مؤمن تو ہم اسے (دنیا میں) پاکیزہ زندگی دیں گے اور (آخرت میں) بدلہ دیں گے ان کے نیک اعمال کا جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔''

اسی طرح سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ﴾ (آیت ۳۲)

''مردوں کے لیے حصہ ہے ان کی اپنی کمائی میں سے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے ان کی اپنی کمائی میں سے۔''

جو خیر، نیکی اور بھلائی کمائے اس کا فائدہ اسی کو ہے۔ اس میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ سب دلجوئی کا انداز ہے اور یہ جو مرد اور عورت کے درمیان انتظامی طور پر فرق و تفاوت قائم کرنا ہے، اس کے لیے ذہن کو آمادہ کیا جا رہا ہے کہ اس اعتبار سے کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔ اسی کی مثال سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس موضوع پر یہ آیت بہت ہی اہم ہے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾﴾

''یقیناً جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مؤمن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزے رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

ان تمام خیرات و حسنات، نیکیوں اور بھلائیوں میں مرد و عورت برابر ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو ایک گاڑی کے دو پہیوں کی حیثیت سے اگر بنایا ہے تو اس کی حکمت تخلیق میں ان کی نفسیاتی ساخت مختلف ہے کہ ایک میں اقدام ہے دوسرے میں اقدام نہیں ہے، ایک میں فعل ہے دوسرے میں انفعال ہے، ایک میں جذبہ زیادہ رکھا گیا ہے دوسرے میں نسیان اور بردباری (cool mindedness) زیادہ ہے۔ ویسے تو: ؎

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد

بہت سی عورتیں ایسی ہو سکتی ہیں جو بہت سے مردوں سے بڑھ کر ''مرد'' ہوں اور بہت سے مرد ایسے ہو سکتے ہیں کہ وہ زنانے ہوں اور بہت سی عورتوں سے بڑھ کر ''عورت'' ہوں۔ لیکن ''حکم الاکثر حکم الکل'' کے مصداق مجموعی طور پر ان کی نفسیاتی ساخت میں فرق و تفاوت ہے۔ اس لیے سورۃ الملک میں فرمایا:

﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾﴾

''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے' حالانکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔''

یعنی جس نے پیدا کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اس نے کیا پیدا کیا ہے' کیا نفسیاتی کیفیات رکھی ہیں' کیا انسان کی ساخت ہے' کیا ان کے مزاج و افتاد کا فرق ہے۔ ہمیں تو صرف بعض ظاہری چیزیں نظر آ جاتی ہیں جبکہ اللہ تو ہر خفی سے خفی شے کا جاننے والا ہے اور ہر شے سے باخبر ہے۔

دوسرا مرحلہ: یہاں تک تو پہلا مرحلہ تھا' جس میں بتایا گیا کہ نیکی کے دروازے مرد و عورت پر یکساں کھلے ہیں اور اس معاملے میں ان میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے بعد سورۃ البقرۃ میں دوسرا حکم آیا' جس میں تھوڑا سا قدم اٹھایا گیا:

﴿وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ ؕ﴾ (آیت ۲۲۸)

''اور عورتوں کے لیے اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان پر ذمہ داریاں ہیں دستور کے مطابق' اور مردوں کے لیے ان پر ایک درجہ فوقیت کا ہے۔''

جیسے سورۃ البقرۃ میں خمر کے بارے میں صرف یہ کہا گیا: ﴿وَاِثْمُھُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا﴾ اسی انداز میں یہ بات فرمائی گئی: ﴿وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠﴾ حرفِ جار ''لام'' حق کے لیے اور ''عَلٰی'' ذمہ داری اور فرض کے لیے آتا ہے۔ چنانچہ ان الفاظ کا ترجمہ ہوگا: ''عورتوں کے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کے فرائض ہیں''۔ ان الفاظ کا ایک ترجمہ بعض حضرات نے بے دھیانی میں یوں کر دیا ہے: ''جیسے حقوق مردوں کو عورتوں پر ہیں ویسے ہی حقوق عورتوں کو مردوں پر ہیں''۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ذرا صحت سے ہٹا ہوا ترجمہ ہے۔ کیونکہ اس ترجمہ سے تو کامل مساواتِ مرد و زن ہو جائے گی حالانکہ اس کی نفی کے لیے تو یہ ساری بات کہی جا رہی ہے۔ اصل اصول جو دنیا میں ہمیشہ مانا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ''جیسی ذمہ داری (responsibility) ویسے حقوق (rights)''۔ یعنی جیسے آپ کی ذمہ داری ہے ویسے آپ کا اختیار بھی ہونا چاہیے اور جتنے آپ کے فرائض ہیں اسی طرح کے آپ کے حقوق ہونے چاہئیں۔ تو اس کا صحیح اور عقل عام کے مطابق ترجمہ یہ ہے: ''جیسے ان کے فرائض ہیں ویسے ہی (اللہ نے) ان کے لیے حقوق رکھے ہیں''۔ آگے فرمایا: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ ؕ﴾ ''اور مردوں کو ان (عورتوں) کے اوپر ایک درجہ فوقیت کا حاصل ہے''۔ آیت کے پہلے ٹکڑے کا

ترجمہ مساواتِ مرد وزن والا کیا جائے تو گویا یہ آیت متضاد ہو جاتی ہے کہ اس کا پہلا ٹکڑا کچھ اور کہہ رہا ہے اور دوسرا ٹکڑا کچھ اور کہہ رہا ہے۔ دوسرا ٹکڑا تو کامل مساواتِ مرد وزن کی نفی کر رہا ہے کہ ''مردوں کو ان کے اوپر ایک درجہ فوقیت کا حاصل ہے۔''

یہاں قرآن کا اسلوب ملاحظہ کیجیے کہ کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا گیا جس سے عورتوں کی دلآزاری ہو کہ مردوں کو ان پر اس اعتبار سے فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ بس اتنا بتا دیا گیا کہ ''مردوں کو ان پر ایک درجہ برتری کا حاصل ہے''۔ وہ درجہ فضیلت کا ہے' اختیار کا ہے' اقتدار کا ہے' کس چیز کا ہے' اس کے بارے میں یہاں سکوت اختیار کیا گیا۔

تیسرا مرحلہ: اس بات کو آگے چل کر سورۃ النساء کی آیات ۳۲ اور ۳۴ میں مزید کھولا گیا۔ آیت ۳۲ میں بات آگے بڑھی:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

''مت تمنا کیا کرو ان چیزوں کی جن میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دے دی ہے۔''

یہاں بھی پردہ رکھا گیا ہے اور مرد و عورت کی بات نہیں کی گئی' لیکن ذہن کو تیار کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

یہاں ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا﴾ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ کسی عورت کے لیے کتنی گھٹیا بات ہوگی کہ وہ اس شش و پنج اور حسرت میں رہے کہ کاش میں مرد ہوتی! آج کل ہمارے معاشرے میں جو لڑکی سے لڑکا بننے کا رواج عام ہو رہا ہے وہ اسی خواہش کا ظہور ہے' جبکہ قرآن نے اس سے واضح طور پر منع کیا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اس حرکت پر لعنت فرمائی ہے:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ))(۱)

''اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔''

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے کسی کو اگر کسی پہلو سے فضیلت دی ہے تو اللہ نے جو تمہیں دیا

(۱) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب المتشبھون بالنساء والمتشبھات بالرجال۔ وسنن الترمذی' ابواب الادب' باب ما جاء فی المتشبھات بالرجال من النساء۔

ہے اس پر تمہیں راضی رہنا چاہیے۔ آگے فرمایا:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ﴾

''مردوں کے لیے حصہ ہے ان کی کمائی میں سے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے ان کی کمائی میں سے۔''

یہاں پھر وہی توجہ دلائی گئی کہ خیر' نیکی' بھلائی' خیرات' حسنات الغرض عام نیکیوں میں تو کوئی فرق ہے ہی نہیں۔ مردوں کے لیے ان کی کمائی میں سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی میں سے حصہ ہے۔

﴿وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۚ﴾ ''اور مانگو اللہ سے اس کا فضل۔''

اگر اللہ نے کسی کو اس اعتبار سے تم پر فضیلت دے دی ہے تو اللہ سے سوال کرو' اللہ تمہیں کسی اور اعتبار سے فضیلت دے دے گا۔ کوئی اخلاقی و روحانی فضیلت دے دے گا۔ تم رابعہ بصری بن سکتی ہو' تم حضرت یاسرؓ کی اہلیہ حضرت سمیہؓ کا سا مقام حاصل کر سکتی ہو' تم ان خواتین کا مقام حاصل کر سکتی ہو جنہوں نے وہ ساری مصیبتیں جھیلیں جو صحابہ کرامؓ میں سے مردوں نے جھیلیں۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے ہجرت نہیں کی تھی اور ان کو وہ مصیبت آئی کہ حبشہ میں جا کر ان کا شوہر مرتد ہو گیا۔ اس طرح وہ نکاح سے فارغ ہو گئیں' لہٰذا حضورﷺ نے ان کی دلجوئی کے لیے انہیں پیغام بھیجا۔ جب تک پردے کے احکام نہیں آئے تھے تب تک آپؓ زخمیوں کی مرہم پٹی کی خدمات سرانجام دے رہی تھیں۔ اُس وقت تک تمام میدانوں میں عورتیں مردوں کے برابر تھیں۔ اگر اللہ کی راہ میں پہلے جان دینے والے مرد حضرت یاسرؓ ہیں تو ان کی بیوی حضرت سمیہؓ بھی عورتوں میں سے پہلی شہیدہ ہیں۔ یہاں یہ بتا دیا گیا کہ آپ اللہ سے کسی اور پہلو سے فضیلت مانگ لو کہ یہ میدان کھلا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٣٢﴾﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

اس کے بعد آیت ۳۴ میں آ کر بات کھولی گئی:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾

دیکھئے تدریجاً کس طرح اس مضمون کو ان آیات کے اندر آگے بڑھایا گیا ہے۔ اب وہ فیصلہ کن بات آئی ہے جو کڑوی گولی تھی: ''یقیناً مرد عورتوں پر حاکم ہیں''۔ ''قوّام'' کا صحیح ترجمہ

''حاکم'' کا ہے۔ سورۂ آل عمران میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا﴾ (آیت: ۷۵) ''جب تک کہ تم اس کے سر پر سوار نہ رہو''۔ یہاں بھی معنی ہوگا کہ مرد کو عورت پر اختیار دیا گیا ہے' وہ اس کی نگرانی کرے' نگہبانی کرے اور اس کے اوپر حکومت کرے۔ یہ ہے مرد کی قوامیت۔ ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ 'بسبب اس فضیلت کے جو اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر دی ہے''۔ اب بھی بعض کو بعض پر کہا ہے' کیونکہ عورت آسانی سے اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی' لیکن ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ فرما کر ایک اصول کا حوالہ دیا ہے' اور دوسرا سبب اس فضیلت کا یہ بیان کیا: ﴿وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اور بسبب اس کے جو وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں میں سے۔''

اللہ تعالیٰ کا عدل یہ ہے کہ اگر اس نے مرد کو جسمانی قوت زیادہ دی ہے تو بوجھ بھی اُسی پر ڈالا ہے اور عدل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہ عدل نہیں ہے کہ ایک کمزور اور ایک قوی انسان کو آپ برابر کام کرنے کا کہیں' یہ ظلم ہے۔ عدل اور توازن تو یہ ہوگا کہ جس کی جتنی استعداد ہے اس کے مطابق اس کو مکلف بنایا جائے' جیسے سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے خود یہ اصول بیان فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (آیت: ۲۸۶) ''اللہ کسی جان کو مکلف نہیں ٹھہراتا مگر اس کی استطاعت کے مطابق''۔ چنانچہ اللہ نے ہر انسان کو اس کی استعداد کے مطابق ہی مکلف ٹھہرایا ہے۔ یہ ہے توازن' یہ ہے عدل۔ تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس کو کتنی طاقت اور کیا نفسیاتی ساخت دی ہے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے اصول کی روشنی میں اب ہم مرد و عورت کی ذمہ داریوں کے فرق کو بیان کرتے ہیں۔ وراثت میں بیٹی کے مقابلے میں بیٹے کو دوگنا حصہ ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹے کو پورے خاندان کی کفالت کرنی ہے جبکہ بیٹی کے ذمے کسی کی کفالت نہیں' بلکہ وہ تو خود کسی کی کفالت میں ہوگی۔ عورت کو پورا حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ایک پیسہ بھی شوہر کے گھر پر خرچ کرے یا نہ کرے' اس کی مرضی ہے۔ اس بارے میں یہاں تک آیا ہے کہ ایک خاتون نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ کیا میں اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں' تمہیں دوہرا اجر ملے گا۔ حالانکہ اولاد اپنے والدین کو اور شوہر اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا' اس لیے کہ بیوی تو اس کے زیر کفالت ہے' اس کی کفالت تو اسے کرنی ہی ہے' اس لیے زکوٰۃ میں اس کا حق نہیں ہے۔ اولاد اپنے والدین کو اس لیے زکوٰۃ

نہیں دے سکتی کہ والدین کا تو حق ہے کہ آپ ان کی ہر ضرورت پوری کریں اور ان کی خدمت کریں۔ لیکن بیوی پر شوہر کی ذمہ داری نہیں ہے' لہٰذا بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔ یہ ایک مکمل نظام ہے' اس کی ساری چولیں بہت مربوط ہیں' اس میں آپ کسی ایک شے کو اٹھا کر علیحدہ نہیں کر سکتے۔

اسی طرح شہادت کا معاملہ ہے۔ شہادت حق نہیں بلکہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے' خاص طور پر فوجداری مقدمات میں بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ غنڈوں کے خلاف شہادت دے کر تو دیکھئے آپ کو دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے بڑی تاکید آئی ہے: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۱۴۰) ''اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی شہادت ہو اور وہ اسے چھپا دے''۔ شہادت تو ادا کرنا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ﴾ (المعارج) ''اور (مؤمن وہ ہیں) جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں''۔ شہادت کی یہ ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی ہے جبکہ عورت پر اس کا بوجھ نہیں ڈالا گیا۔

یہاں یہ اصول نوٹ کر لیجیے کہ اسلام نے عورت کو مکمل قانونی تشخص دیا ہے۔ وہ ایک لیگل پرسن ہے۔ وہ اپنی جائیداد بنا سکتی ہے' وہ انویسٹ کر سکتی ہے' کاروبار کر سکتی ہے' اپنا مال اپنے پاس رکھ سکتی ہے' شوہر پر کچھ خرچ کرے نہ کرے' لیکن اس سے اپنا نفقہ وصول کر سکتی ہے۔ یہ سارے اس کے حقوق ہیں' لیکن کئی اعتبارات سے مرد کی قانونی حیثیت عورت کے مقابلے میں قوی تر ہے۔ مثلاً وراثت' شہادت اور سب سے زیادہ جو معاملہ عائلی قوانین سے متعلق ہے: ﴿اَلَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ (البقرۃ:۲۳۷) ''نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے''۔ یعنی وہ طلاق دے سکتا ہے' عورت طلاق دے نہیں سکتی لیکن خلع کے ذریعے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ اس کے لیے اسے کسی تیسرے کو درمیان میں ڈالنا ہوگا' وہ قاضی ہو' بزرگ ہو یا خاندان کے بڑے ہوں۔ اور پھر اسے مرد کو راضی کرنا ہوگا چاہے اپنے مہر کا کوئی حصہ چھوڑ کر' چاہے کسی اور انداز میں' لیکن اسے طلاق کا اختیار نہیں ہے۔ اب جن معاشروں میں بیوی کو بھی طلاق کا برابر اختیار دیا گیا ہے تو وہاں خاندان کے ادارے کی تباہی کے لیے گویا پہلے ہی اس کے اندر بارود بھر دیا گیا ہے۔ یہ ہے مرد کی قوامیت خاندان کے ادارے' قانونی نظام اور بالخصوص عائلی نظام میں۔ ویسے پورے تمدنی نظام میں آپ کو یہ قوامیت نظر آئے گی کہ بھاری اور بوجھل

کام مردوں کے ذمہ ہیں' جبکہ عورت کے لیے اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے اور اولاد کی پرورش اس کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ قوم کے مستقبل کی امین ہے۔ مرد کو قوم کے حال کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے لیکن قوم کا مستقبل تو اگلی نسل سے وابستہ ہے۔ اس کے لیے عورت کی گود بہترین تربیت گاہ اور بہترین درس گاہ ہے' اسی سے اس کے اندر بہترین جذبات کا احساس پیدا ہوگا۔

مرد و عورت کے مابین تقسیم کار اور قانونی سطح پر مرد کی عورت پر فوقیت' نص قرآنی کی رو سے ہمارے دین کے نظام کا جزو لاینفک ہے۔ لہٰذا اس کو تو ہر صورت ماننا پڑے گا' یہ کڑوی گولی حلق سے نیچے اتارنی پڑے گی ع ''تاب لاتے ہی بنے گی غالبؔ''! اگر نہیں مانتے تو پھر سیدھی سی بات ہے کہ قرآن کے احکام آپ کے لیے قابل قبول نہیں! جس زمانے میں عورت کا مقام اور پردہ کے متعلق میرے حوالے سے controvercy چل رہی تھی' اس زمانے میں پاکستان ٹائمز میں ایک صاحب کا خط شائع ہوا تھا' جس میں انہوں نے کھل کر لکھا تھا کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ قرآن عورت کو ایک ثانوی حیثیت دیتا ہے اور ہمیں اب اجتہاد کے ایسے اصول تلاش کرنے چاہئیں جو قرآن کو بھی اوور رول کر سکیں' اوور رائٹ کر سکیں۔ ظاہر ہے اگر عورت کی ثانوی حیثیت کو تسلیم نہیں کرنا تو پھر آپ کو مان لینا چاہیے کہ آپ قرآن کی پیروی نہیں کریں گے' قرآن کو اپنا حاکم نہیں بنائیں گے بلکہ آپ اپنے آپ کو قرآن پر حاکم بنائیں گے۔ آپ قرآن کے پیچھے نہیں چلیں گے بلکہ قرآن کو اپنے پیچھے گھسیٹنے کی کوشش کریں گے۔ قرآن' اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے تو یہی اصول ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ ثابت ہے اور ہمارا پورا عائلی نظام اسی اصول پر قائم ہے۔ یہ ایک مثال ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے کہ ہمارے معاشرے کا مزاج کتنا سیکولر ہو چکا ہے' اور دین کے خلاف کتنا نشوز' کتنی بغاوت اور دین کی اہم ترین باتوں کا کس قدر انکار اس معاشرے کے اندر موجود ہے۔

## عورتوں کو اخلاقی سطح پر فوقیت

مرد کو عورت پر جو قانونی فوقیت دی گئی ہے' اس حوالے سے ہمارے ذہن میں آ سکتا ہے کہ یہ مساوات کے خلاف ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو ایک اور اعتبار سے مردوں پر فوقیت دی ہے کہ عورتوں کے حقوق کو اخلاقی سطح پر حسن سلوک کے اعتبار سے بہت بلند مقام دیا ہے۔ عورت کا مقام ماں کی حیثیت سے تین درجے بلند ہے جبکہ باپ کی حیثیت تین درجے نیچے رہ

جاتی ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے حسنِ سلوک کا اوّلین مستحق کون ہے؟ فرمایا:

((اُمُّكَ)) قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ :((ثُمَّ اُمُّكَ)) قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ :((ثُمَّ اُمُّكَ)) قَالَ :ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ :((ثُمَّ اَبُوْكَ)) (۱)

''تمہاری والدہ''۔ صحابی نے پھر پوچھا: ان کے بعد کون؟ فرمایا: ''پھر تمہاری والدہ''۔ صحابی نے پھر پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: ''پھر تمہاری والدہ''۔ صحابی نے پھر عرض کیا: ان کے بعد کون؟ فرمایا: ''پھر تمہارے والد۔''

اس کے علاوہ بھی اخلاقی سطح پر مختلف اعتبارات سے عورتوں کو مردوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ مثلاً:

(۱) ماں کے قدموں تلے جنت بتائی گئی ہے، باپ کے قدموں تلے نہیں۔

(۲) بیٹوں کے پالنے پوسنے پر کسی اجر و ثواب کا ہمیں ذکر نہیں ملتا جبکہ احادیث میں بیٹیوں کے پالنے پوسنے پر بہت زیادہ اجر و ثواب کا ذکر ملتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ))(۲)

''جس نے دو بچیوں کو پالا پوسا، اچھی طرح پرورش کی یہاں تک کہ جوان ہو گئیں، میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح ہوں گے، اور آپؐ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔''

(۳) حضور ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ))(۳)

''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں اور میں تم میں اپنی بیویوں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں۔''

چنانچہ عورتوں میں جہاں قانونی اعتبار سے ایک کمی رکھی گئی ہے وہاں اخلاقی اور دوسرے اعتبارات سے اس کی تلافی (compensation) کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الاحسان الی البنات۔

(۳) سنن الترمذی، ابواب المناقب والصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی فضل ازواج النبی ﷺ۔

## خاندانی نظام کا دوسرا رُخ: والدین کے حقوق

اس خاندان کے استحکام کا ایک دوسرا رخ یا بُعد ثانی (second dimension) والدین کے حقوق ہیں۔ دیکھئے بڑی خوبصورت تعبیر ہے کہ مرد اور عورت کے رشتہ ازدواج سے خاندان کی بنیاد بنی۔ اولاد ہوئی تو ایک دوسری جہت جمع ہوگئی۔ اب نسبت قائم ہوئی والدین اور اولاد کی۔ پھر جب اولاد ایک سے زائد ہوئی تو اب ایک تیسری جہت جمع ہوگئی یعنی بہن بھائیوں میں رشتۂ اخوت۔ یہ گویا ایک خاندان کے اَبعادِ ثلاثہ (three dimensions) ہیں۔ یہ تین جہتیں ہیں جن سے خاندان وجود میں آیا۔ خاندان کے استحکام کے لیے اسلام نے اس دوسری جہت کو بڑے شدومد سے بیان کیا ہے۔ آپ ذرا اندازہ کیجیے کہ قرآن مجید میں والدین کے حقوق کا ذکر متعدد مقامات پر اللہ کے حقوق کے فوراً بعد آیا ہے۔ والدین کا ادب' والدین کا احترام' والدین کے سامنے کندھے جھکا کر رہنا' والدین کے ساتھ بڑے ادب کے ساتھ بولنا' یہ سب والدین کے حقوق میں شامل ہے۔

میں نے گزشتہ خطاب میں عرض کیا تھا کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ اور رسول بریکٹ ہو جاتے ہیں' ایک وحدت بن جاتے ہیں۔ ایک ہے اطاعت اور دوسری محبت۔ قرآن حکیم میں جابجا ارشاد ہوا:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (النساء:۵۹)

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔''

ایک جگہ ارشاد ہوا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

مزید فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء:٦٤)

''ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس غرض سے تھا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

یہ دونوں (اللہ اور رسول) اطاعت میں ایک ہی ہیں۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت۔ اسی طرح محبت میں یہ دونوں ایک ہیں۔ محبت خداوندی

اور محبت رسول بالکل ایک شے اور ایک ہی حقیقت ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اللہ کے حق کے ساتھ والدین کے حقوق کا ذکر ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ ان مقامات پر رسول کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حسن سلوک' ادب' شکر اور احسان مندی میں اپنے ساتھ والدین کو نتھی کیا ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر یہ اسلوب ملتا ہے کہ ادائے حقوق کے معاملے میں جہاں اللہ تعالیٰ کے اس حق کا تذکرہ ہوتا ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے' وہاں اس کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا بیان ہوتا ہے۔ سورۂ لقمان میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو اجتناب شرک اور التزام توحید کی نصیحت کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ﴾ ''اور ہم نے نصیحت کی انسان کو اس کے والدین کے بارے میں.....'' آگے خاص طور پر والدہ کے حق کو نمایاں کرنے کے بعد فرمایا:

﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ (لقمان)

''کہ شکر کرو میرا اور اپنے والدین کا۔''

سورۂ بنی اسرائیل میں بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾﴾ (بنی اسراء یل)

''تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کی پرستش مت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک یا وہ دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے نرمی سے بات کرو۔ اور ان کے سامنے اپنے شانے نیازمندی کے ساتھ جھکا کر رکھو اور یہ دعا کیا کرو کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں (رحم کے ساتھ) میری پرورش کی۔''

سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا .....﴾ (آیت ۸۳)

''اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا.....''

اسی بارے میں سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.....﴾ (آیت ۳۶)

''اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ' اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو.....''

اسی طرح سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ﴾ (آیت ۱۵۲)

''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں! یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

والدین اور اولاد کے حوالے سے ایک بات اور نوٹ کر لیجیے کہ آپ کو قرآن میں والدین کے لیے یہ تشویق و ترغیب کہیں نہیں ملے گی کہ اولاد سے محبت کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محبت تو جبلی طور پر اتنی شدید ہے کہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ الٹا کہنا پڑتا ہے کہ اولاد کی محبت کے ترازو کو ذرا کھینچ کر رکھو کیونکہ یہ محبت جب حد سے تجاوز کرتی ہے تو تمہاری عاقبت کی بربادی کا باعث بن جاتی ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾ (التغابن: ۱۴)

''اے اہل ایمان! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولادوں میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں' پس ان سے ہوشیار رہو۔''

اگر ازواج و اولاد کی محبت نہ ہو تو تمدن کا یہ پورا کھکھیڑ اور دنیا کی یہ رونقیں ہی کہیں نہ ہوں۔ لہٰذا یہاں تو متنبہ کیا گیا ہے۔ لیکن والدین سے محبت کی تلقین کی گئی ہے۔ حدیث مبارکہ میں یہاں تک آیا ہے کہ والدین کو محبت بھری نگاہ سے دیکھنا بھی بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے۔ میرے علم میں دو ہی چیزیں ایسی ہیں جن کو دیکھنا بھی عبادت ہے' ایک خانہ کعبہ اور دوسرے والدین۔ والدین کے ساتھ محبت پر اجر و ثواب کا سبب یہ ہے کہ آپ کی جبلت میں والدین کی

محبت کی کوئی بنیاد نہیں ہے' بلکہ ہمارے ہاں جو خاندانی جھگڑے اور فسادات ہوتے ہیں اور بہت سی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں' اس کی ایک نفسیاتی بنیاد یہی ہے کہ والدین میں محبت کی ایک شدید پیاس پیدا ہو جاتی ہے۔ جب وہ جوان تھے' ان کے جسم و جان میں توانائیاں تھیں تب انہوں نے اپنے آپ کو' اپنی توانائیوں کو' اپنی قوتوں کو اپنی اولاد پر نچھاور کیا اور اولاد ہی ان کی محبت کا مرکز و محور بنی رہی۔ لیکن اب جب اولاد جوان ہو گئی تو اولاد کی محبت کا مرکز ان کے اپنے بیوی بچے بن گئے۔ اس حوالے سے والدین میں محبت کی شدید پیاس پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر ماں کو اس کا شدت کے ساتھ احساس ہوتا ہے۔ باپ کا معاملہ باہر کی دنیا سے متعلق ہے' اسے اتنا زیادہ احساس نہیں ہوتا' لیکن ماں کا احساس شدید تر ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ساس بہو کا جھگڑا جنم لیتا ہے اور اسی وجہ سے یہ سارے فسادات ہوتے ہیں۔ چنانچہ والدین کی محبت کی پیاس بجھانے کے لیے جو شخص بھی ان کو محبت بھری نگاہ سے دیکھے تو یہ بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے۔ دوسری چیز یہ کہ والدین پورے خلوص کے ساتھ اپنے آپ کو اولاد کے لیے invest کر دیتے ہیں اور انہیں یہ امید ہوتی ہے کہ بڑھاپے میں جب ہمیں ایک عصا کی ضرورت ہو گی تو ہماری اولاد ہمارا عصا بنے گی۔ یہ دونوں چیزیں مغرب میں ختم ہو چکی ہیں۔ خود غرضی اس درجے کو پہنچ گئی ہے کہ والدین ایک خاص عمر تک اپنی اولاد کو پال پوس کر کہتے ہیں اب نکلو یہاں سے اور اپنی ذمہ داریاں خود سنبھالو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب وہی بوڑھے والدین ترس رہے ہیں کہ بیٹا بیٹی ہمیں شکل ہی دکھا جائے۔ مغرب میں تو کرسمس کے تہوار کی بڑی اہمیت ہی یہ ہے کہ سال میں ایک مرتبہ تو شاید بیٹا بیٹی کو دیکھنا نصیب ہو جائے' لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ اب اس موقع پر بھی ان کو اپنے پیاروں کی شکل دیکھنے کو نہیں ملتی۔ ان کے لیے old homes بنا دیے گئے ہیں' انہیں ٹیلی ویژن' فریج اور ضرورت کی ہر چیز دے دی گئی ہے لیکن انسانی جذبات کسی اور چیز کا بھی تقاضا کرتے ہیں اور وہ محبت کی پیاس ہے۔ کوئی ٹیلی ویژن' کوئی مشروب' کوئی پھل اور دنیا کی کوئی بھی آسائش پیار و محبت کے جذبات کا بدل نہیں بن سکتے۔

## ضبطِ نفس اور ستر و حجاب کے احکامات کی پابندی

ایک اور چیز جو خاندان کے ادارے کو مستحکم کرنے والی' اس میں امن و سکون پیدا کرنے والی اور ہماری معاشرتی زندگی کی ایک اہم اساس ہے وہ یہ ہے کہ معاشرے میں ضبطِ جنس اور ضبطِ شہوت (sex discipline) ہو' جنسی انارکی نہ ہو۔ انسان اپنی اس فطری ضرورت (urge) کو ایک قاعدہ و قانون اور حلال و حرام کے حدود و قیود کے اندر پورا کرے۔

مجھے فرائڈ (اہل مغرب جسے نفسیات کا ''امام'' مانتے ہیں) کی اس بات سے بہت حد تک اتفاق ہے کہ انسان کے اندر سب سے طاقتور (potent) جذبہ محرکہ شہوت یعنی جنسی جذبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تخلیق کے مطابق یہ بے حد ضروری تھا' کیونکہ اگر یہ جذبہ اتنا طاقتور نہ ہوتا تو کون شادی کا کھکھیڑ مول لیتا اور انسان کی نسل کیسے چلتی؟ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو آباد رکھنا ہے' نسلِ انسانی کو بھی اور بڑھانا ہے' لہٰذا جنس مخالف میں اس قدر کشش اور طلب پیدا کی ہے کہ انسان یہ جانتے ہوئے بھی کہ شادی کے بعد اتنی ذمہ داریاں ہوں گی' خاندان کا بوجھ اٹھانا ہوگا' اولاد کو پالنا پوسنا ہوگا' یہ ساری ذمہ داریاں جھیلتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ جس شے میں جتنی زیادہ کشش اور شدت ہوتی ہے اتنا ہی اس میں کج روی اور بگاڑ کا زیادہ امکان ہوتا ہے' جیسے پولیٹکل سائنس کا مسلّمہ اصول (axiom) ہے:

*Authority tends to corrupt and absolute authority corrupts absolutely.*

چنانچہ جنسی جذبے کی یہ شدت جتنی زیادہ ہے تو اس کے بگاڑ کا بھی اتنا ہی زیادہ امکان موجود ہے۔ یوں سمجھئے کہ گویا انسان کے اندر بارود ہے' لہٰذا اس پر بڑی قدغنوں' بڑی پابندیوں اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہ پابندیاں اور یہ اہتمام ہمارے دین کی طرف سے ہے۔ خطاب کے آغاز میں میں نے سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی تھی۔ ان آیات میں اہلِ ایمان کے فلاح کے لوازمات کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی بیان کی گئی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝﴾

''وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین ہوں' سو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔''

آپ غور کیجیے کہ اس میں کس قدر توازن ہے۔ ایک طرف یہ تصور دیا گیا ہے کہ جنسی شہوت کو بری نہ سمجھو' یہ کوئی برائی (evil) نہیں ہے' یہ تو فطرت کا داعیہ اور فطرت کا تقاضا ہے جو اللہ نے انسان کی فطرت میں اپنی حکمت کے تحت رکھا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ.....﴾ (آل عمران: ۱۴)

''مزیّن کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے.....''

یہاں سب سے پہلے ''حب الشھوات'' کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ جنسی خواہش کوئی برائی نہیں ہے۔ اوّل تو جو دین محمد ﷺ لائے وہ انتہائی دین فطرت ہے' پھر آپؐ کی زندگی اتنی کھلی کتاب ہے کہ آپؐ نے ہر چیز کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا: اَلنِّسَاءُ وَالطِّیْبُ' وَجُعِلَ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ))(۱)

''مجھے دنیا میں سے عورتیں اور خوشبو محبوب ہے' جبکہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔''

حضور ﷺ نے خود بھی شادیاں کیں اور اُمت کو بھی اس کا حکم دیا۔ فرمایا:

((اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ)) (۲) ''نکاح میری سنت ہے۔''

مزید فرمایا:

((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) (۳)

''جس کو میری سنت پسند نہیں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

دوسری طرف اسلام نے اس جذبے پر شدید قدغنیں عائد کی ہیں۔ اس لیے کہ اگر اس جذبے میں کج روی اور آوارگی آ گئی تو پوری انسانی شخصیت اور سیرت و کردار کی متاع اس سوراخ سے بہہ نکلے گی۔

میں ان لوگوں کا مرثیہ کہا کرتا ہوں جو ایک طرف تو مغرب کے فلاسفہ کی عظمت کے قائل ہیں اور دوسری طرف جب پردے اور ستر کا بیان آتا ہے تو وہ ایسے ''معصوم'' بن جاتے ہیں کہ جنسی جذبہ شاید صرف مولویوں ہی کے اندر ہوتا ہے' ان کے علاوہ کسی اور کے اندر اس جذبے کا کوئی احساس اور حس سرے سے ہوتی ہی نہیں۔ یہ سراسر ان کی بددیانتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم اس رسول ﷺ کے پیروکار ہیں جنہوں نے خود یہ کہا ہے کہ مجھے تو دنیا میں یہ دو چیزیں خوشبو اور عورت پسند ہیں' اور ہم اس قرآن مجید کو ماننے والے ہیں جس میں سورۃ المؤمنون کے بعد سورۃ المعارج میں دوبارہ بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ یہ آیات وارد ہوئی ہیں:

﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ

(۱) سنن النسائی' کتاب عشرة النساء' باب حب النساء۔

(۲) سنن ابن ماجه' کتاب النکاح' باب ما جاء فی فضل النکاح۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب الترغیب فی النکاح۔ وصحیح مسلم' کتاب النکاح' باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه .....

اَیۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ﴿۶﴾

اس کے بعد دونوں مقامات پر یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿۷﴾﴾

''البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔''

یعنی جو اس جذبے میں حد سے بڑھیں گے اور اپنی خواہشات حرام طریقوں سے پوری کریں گے تو وہ زیادتی کرنے والے اور حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

تو جان لیجیے کہ یہ ایک بہت زوردار داعیہ ہے۔ فرائڈ نے مبالغہ آرائی کرتے ہوئے اسے ذرا اور آگے بڑھا دیا ہے کہ اس کے نزدیک تو سارے کے سارے خواب بھی سیکس کی بنیاد پر آتے ہیں اور ساری اخلاقیات بھی اسی جذبہ کی بنیاد پر ہیں۔ ماں اگر محبت بھری نگاہ سے بیٹے کو دیکھ رہی ہے یا باپ نے اگر بیٹی پر محبت بھری نگاہ ڈال لی تو وہ بھی جنسی جذبہ کے تحت ہے۔ معاذ اللہ۔ ان لوگوں کا یہ غلط رویہ ہے کہ ایک حقیقت کو دیکھتے ہیں تو جزء کو کُل بنا دیتے ہیں' لیکن اس حد تک یہ بات صحیح ہے کہ اس جذبے کے اندر بہت پوٹینشل' شدت اور قوت ہے۔ چنانچہ جتنا منہ زور گھوڑا ہوگا اتنا ہی اسے سدھانے کے لیے آپ کو محنت کرنا پڑے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جذبے کے لیے اتنی حدود و قیود عائد کی گئی ہیں۔ ہمارے دین میں سارا ستر و حجاب کا نظام موجود ہے اور ستر و حجاب کے یہ احکامات ہمارے معاشرتی نظام کے استحکام کا ذریعہ ہیں۔

## غیر مخلوط اسلامی معاشرہ

یہ بات قبل ازیں عرض کی جا چکی ہے کہ اسلامی معاشرہ مخلوط معاشرہ نہیں ہے' اس میں عقیدے اور ایمان کی بنیاد پر تقسیم ہے۔ یہ اصلاً مسلمان معاشرہ ہے' غیر مسلم اس معاشرے کا اصلاً شریک نہیں ہے۔ البتہ جو بھی غیر مسلم ہمارے مقابلے میں متحارب نہیں ہے' اس کے ساتھ بھلائی' خدمت خلق' تالیف قلب' عدل و انصاف' یہ سارے معاملات کریں گے' لیکن محبت اور مودت کا معاملہ صرف اہل ایمان کی برادری کے دائرے کے اندر رہے گا۔ اسی طرح مسلمان معاشرے میں جنس کے اعتبار سے مخلوط معاملہ نہیں ہے۔ یہ ایک غیر مخلوط (seggregated) سوسائٹی ہے' جہاں مرد کا علیحدہ دائرہ کار ہے اور عورت کا علیحدہ۔ ان دونوں کا میدانِ کار جدا' فرائض جدا' ذمہ داریاں جدا' لہٰذا ان کا آپس میں میل جول اور اختلاط اسلام بالکل گوارا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ یہ بارود کو چنگاری دکھانے والی بات ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ جنسی

جذبہ بہت ہی خوفناک اور خطرناک حد تک منہ زور ہے اور اس کے لیے بہت زیادہ احتیاط اور پابندیوں کی ضرورت ہے۔

حجاب کے تفصیلی احکام میں تو کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن میں اس وقت جو اصول بیان کر رہا ہوں کہ مرد و عورت میں سے ہر ایک کا ایک جداگانہ دائرہ کار ہے' میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ جس زمانے میں ستر و حجاب اور پردہ کی بڑی بحثیں چل رہی تھیں ایک مرتبہ میں پروفیسر وارث میر صاحب کے گھر ان کے بچے کی عیادت کے لیے گیا تھا۔ چونکہ وہ بھی میرے خلاف بڑے مضامین لکھ رہے تھے تو وہاں میں نے ان سے بات کی اور ان سے کہا کہ مجھے بتائیے تو سہی کہ اسلام نے ستر و حجاب اور seggregation کے جو اصول رکھے ہیں' ان کو اگر ہم ملحوظ رکھیں تو ہماری کون سی تمدنی ضرورت ہے جو رکتی ہے؟ پھر میں نے غیر مخلوط معاشرے کا ایک خاکہ ان کے سامنے رکھا کہ آپ تعلیم کا نظام علیحدہ کر دیجیے کہ مردوں اور عورتوں کی یونیورسٹیاں اور کالج علیحدہ ہوں' اسی طرح ہسپتال علیحدہ ہوں۔ خواتین کے ہسپتالوں میں خواتین ڈاکٹر ہوں اور خواتین نرسیں ہوں جبکہ مردوں کے ہسپتالوں میں مرد نرسوں کا اہتمام ہو' کیونکہ وہاں زنانہ نرسیں فساد کی جڑ ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا مرد نرسنگ نہیں کر سکتے؟ آرمی میں جہاں شدید ترین نرسنگ کی ضرورت ہوتی ہے' آپ اگلے مورچوں پر کیا عورتوں کو نرسیں بنا کر بھیجتے ہیں؟ وہاں نرسنگ کا کام مرد سرانجام دیتے ہیں اور وہاں کی ساری ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ تو اسی طرح مردانہ ہسپتالوں میں میل نرس کام کیوں نہیں کر سکتے؟ عورتوں کے ہسپتال میں عورتوں کو نرس رکھیے اور مردوں کے ہسپتال میں مردوں کو نرس رکھیے۔ ☆

آج کل یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس دور میں ہمیں جو معاشی مسائل درپیش ہیں اور دنیا

---

☆ اسی طرح آپ سوچیے کہ کیا پی آئی اے میں کھانے اور ناشتے کی ٹرے مرد نہیں پیش کر سکتا؟ میں نے یہ بات صدر ضیاء الحق مرحوم سے بھی کہی تھی کہ یہ ایئر ہوسٹس جو مسافروں کے لیے گھر سے باہر جاتی ہے یہ شریعت کے کون سے قاعدے کے مطابق جائز ہے' جبکہ مسلمان عورت حج اور عمرہ کے لیے بھی محرم کے بغیر نہیں جا سکتی۔ حالانکہ حج اور عمرہ کرنے والی خواتین بالعموم ادھیڑ یا عمر رسیدہ ہوتی ہیں مگر پی آئی اے میں اس کے برعکس نوجوان بچیاں بیس بیس دن کے لیے ایک سے دوسرے ملک فلائٹ کے ساتھ جاتی ہیں۔ غور کیجیے یہ کون ہیں؟ یہ محمد رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کی ''بیٹیاں'' ہیں۔ (بحوالہ خطبات خلافت از ڈاکٹر اسرار احمدؒ ص ۱۵۳)

کے اندر جو اقتصادی بھاگ دوڑ کا مقابلہ ہے تو اس کے پیش نظر کیا ہم مردوں کے ساتھ عورتوں کی نفری کو بروئے کار نہ لائیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ضرور ان سے کام لیجئے اور اس کے لیے گھریلو صنعتوں کو فروغ دیجیے تاکہ خواتین کو گھروں کے اندر کام دیا جائے۔ یا آپ ایسے یونٹس بنائیے جس میں عورتیں کام کریں' عورتیں کام لیں' سپروائزنگ بھی عورتیں کریں اور اس کی چار گھنٹے کی شفٹ رکھیے تاکہ وہ خاتونِ خانہ کی حیثیت سے بھی اپنے فرائض ادا کر سکے اور یہاں آ کر قوم کی اجتماعی اقتصادیات میں بھی اپنا ایک حصہ ادا کر سکے۔ اگر گھر پر بیٹھ کر اسے کام کرنے دیں گے تو وہ انتہائی مفید اور productive ہوگا' اس کے آنے جانے' کپڑے تبدیل کرنے اور بننے سنورنے کا وقت بھی بچے گا۔ دوسری جنگ عظیم میں دہلی کے ایک بہت بڑے علاقے ''باڑا ہندو راؤ'' کا ایک ایک گھر کارخانہ بنا ہوا تھا۔ صبح آرمی کے ٹرک آتے اور سامان دے کر چلے جاتے تھے۔ کہیں وردیاں سل رہی ہیں' کہیں بلکو بن رہے ہیں' کہیں بٹنز بن رہے ہیں۔ گھروں میں چھوٹے چھوٹے پریس لگے ہوئے تھے۔ شام کو ٹرک آتے اور تیار سامان لے کر چلے جاتے۔ نہ عورت کو گھر سے نکلنا پڑا' نہ اسے کوئی مشقت جھیلنی پڑی۔ وہ گھر میں بیٹھ کر بچوں کو ساتھ لگا کر کام کر رہی ہے' کہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ بس اصول طے ہو جائیں اور ایک دفعہ عزم کر لیں تو پھر راستے کھلتے جائیں گے۔ اس بات کو یقین محکم کے ساتھ مان لیں کہ مرد و زن کا اختلاط انتہائی خطرناک ہے اور اس میں شدید خطرات مضمر ہیں' اس لیے اس کو ہر صورت روکنا ہے۔

ستر و حجاب کے احکام کی پابندی اور غیر مخلوط نظام سے شوہر اور بیوی کے اندر وہ باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے جس سے گھر کے اندر اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے اور اس میں مثبت جذبات پروان چڑھتے ہیں' پھر وہ گھر واقعتاً جنت کا ایک نمونہ بنتا ہے۔ اس فضا میں جو اولاد پروان چڑھے گی اس کے اندر مثبت اقدار وجود میں آئیں گی' اس کے اندر بھلائیاں اور نیکیاں پرورش پائیں گی۔ اگر ایسا نظام نہ ہو تو انتقام اور منفی اثرات پروان چڑھتے ہیں۔ نہ بیوی کو شوہر پر اور نہ شوہر کو بیوی پر اعتماد ہوتا ہے۔ اس طرح وہ صرف ایک قانونی بندھن میں بندھے ہوتے ہیں' جس سے چھٹکارا پانے کے لیے امریکہ اور مغرب میں بڑی کوششیں جاری ہیں۔ ان کا پورا عائلی نظام ان کے لیے ایک بہت بڑا شکنجہ' بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑی لعنت بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن ہم اب بھی مغربی تہذیب کی ظاہری چکاچوند سے مرعوب ہیں' جس کو اقبال نے ''Dazzling exterior of the Western Civilization'' کہا تھا۔

ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!

ہم تو اسی کی مرعوبیت میں مبتلا ہو کر اس کی پیروی کر رہے ہیں اور اسی کو سمجھتے ہیں کہ یہ تہذیب اور تمدن ہے۔ یہ درحقیقت ہمارے ذہنی افلاس کا مظہر ہے' ورنہ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہترین معاشرتی و عائلی نظام ہے۔ سب سے پہلے اگر آپ میں ایمان کی بنیاد موجود ہو تو آپ کو وہ بصیرت حاصل ہو گی کہ ان تمام اوامر و نواہی اور دین کے تمام احکام کی نورانیت' معنویت اور ان احکام کی پوشیدہ حکمتیں اور برکات نظر آئیں گی۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ)) (۱)

نور اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس کے دوسرے پہلو بھی ہیں جن کی طرف اشارہ موجود ہے لیکن یہ بھی ہے کہ وہ نورِ ایمان ہے۔ پھر جسے اللہ انشراح عطا کرتا ہے اسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہی نظام صحیح ہے اور اسی میں خیر و فلاح ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الزمر:۲۲) ''پھر بھلا وہ شخص کہ جس کے سینے کو اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور (ہدایت) پر ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو کفر کی تاریکیوں میں پڑا ہے؟)

## قرابت دار کے ساتھ حسنِ سلوک

معاشرے کی تنظیم میں خاندان کے ادارے سے آگے بڑھ کر قرابت دار کے ساتھ حسنِ سلوک کا بھی ذکر ہے۔ خاندان کے ادارے کو مستحکم کرنے کے بعد اب انسان کے حسنِ سلوک کا دائرہ کار درجہ بدرجہ آگے بڑھنا چاہیے اور ''الاقرب فالاقرب'' کے اصول کے مطابق جو سب سے قریب ہے وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝﴾
(بنی اسراء یل)

''اور رشتے دار کو اس کا حق ادا کرو' اور محتاج اور مسافر کو بھی (اپنے مال میں سے دو) اور اپنی دولت کو نمود و نمائش کے لیے نہ اڑاؤ۔''

(۱) سنن الترمذی' ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ باب ومن سورة الحجر۔

قرآن مجید کے اندر متعدد بار قرابت داروں کا ذکر ہے: ﴿وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی﴾ (البقرۃ:۱۷۷)۔ اور: ﴿وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی﴾ (النساء:۳۶)

قرابت داروں کے بعد حسن سلوک کے دائرہ میں معاشرے کے محروم افراد کو بھی شامل کرنا ہوگا' جن میں یتیم' مساکین' مسافر' غرض سبھی لوگ شامل ہوں گے۔ قرابت دار کے بعد یتیم اور مساکین کا نمبر آتا ہے: ﴿وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ﴾ ''اور (احسان کرو) رشتہ داروں' یتیموں اور مساکین پر''۔ اس سے آگے بڑھیے تو پڑوس کا نمبر آتا ہے: ﴿وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی﴾ ''اور پڑوسی جو قرابت دار بھی ہو'' اگر پڑوسی قرابت دار بھی ہو تو یوں سمجھئے کہ سونے پر سہاگا ہے کہ اس کے دو حقوق جمع ہو گئے۔ ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ ''اور پڑوسی چاہے اجنبی ہو''۔ یعنی وہ آپ کے قبیلے کا نہ ہو تب بھی پڑوسی ہونے کے اعتبار سے وہ آپ کے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ ﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ﴾ ''اور آس پاس کے بیٹھنے والے'' عارضی طور پر آپ کی برابر کی نشست پر بیٹھا ہوا بھی آپ کا پڑوسی ہے اور وہ آپ کے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ اس طرح آپ بس یا ریل میں سفر کر رہے ہیں تو آپ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا شخص آپ کا پڑوسی ہے اور آپ کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ﴿وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾ ''اور پھر مسافر''۔ ﴿وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ﴾ ''اور پھر وہ جو تمہاری ملک یمین میں ہوں''۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝﴾ (النساء) ''یقیناً اللہ تعالیٰ کو متکبر اور اکڑنے والے لوگ بالکل پسند نہیں ہیں۔''

آخر میں ایک حدیث کا حوالہ دے رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ' وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ' وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ)) قِیْلَ وَمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: ((اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَایِقَہٗ))(۱)

حضور ﷺ نے تین بار یہ بات فرمائی کہ ''خدا کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہے!'' یعنی اسے ایمان کی حقیقت حاصل نہیں۔ یا ہمارے ہاں جو احتیاط کی وجہ سے ترجمہ کیا جاتا ہے کہ اس کو ایمان کامل حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ جب ہم یہ ترجمہ کرتے ہیں تو اس حدیث میں جو زور اور تاثیر ہے وہ ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ بس یہ ذہن میں رکھیے کہ قانوناً وہ شخص کافر نہیں ہوتا بلکہ مسلمان رہتا ہے' لیکن ایمان کی کوئی لطیف حقیقت ہے جس سے وہ محروم ہے۔ ((وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ)) ''خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں!'' پوچھا گیا حضور کون؟ آپ نے فرمایا: ''وہ شخص کہ

(۱) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب اثم من لم یأمن جارہ بوایقہ۔

جس کی ایذارسانی سے اس کا پڑوسی چین میں نہیں ہے۔"

## خلاصۂ کلام

قرآن وحدیث میں تین اصولوں کا ذکر ہے جن پر تمام انسانی معاملات (چاہے وہ معاشرتی ہوں' معاشی ہوں یا سیاسی) کو استوار کرنا چاہیے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ﴾ (آیت ۵۸)

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

اس آیت میں دو اصولوں کا ذکر آیا (۱) امانت داری (۲) عدل وانصاف۔ اب ایک حدیث ملاحظہ کیجیے:

((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ)) (۱)

"اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس میں ایفائے عہد نہیں۔"

اس حدیث میں ایک تو اسی اصول کا ذکر ہے جو مندرجہ بالا آیت میں مذکور ہے یعنی امانت داری' اور ایک تیسرے اصول کا تذکرہ ہے یعنی عہد کی پابندی۔

قرآن کی اور بھی کئی آیات میں ان اصولوں کا تذکرہ ملے گا' مثلاً سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝﴾۔

ایفائے عہد' امانت داری اور عدل وانصاف' یہ تین اصول ہیں' ان پر اپنے تمام انسانی معاملات استوار کرو۔ پھر انہی اصولوں پر ایک صالح ریاست' صالح حکومت' اور ایک سیاسی نظام وجود میں آئے گا اور پھر آگے چل کر انہی اصولوں پر ہمارے معاشی نظام کی عمارت تعمیر ہوگی۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

(مرتب: محمد زاہد' ادارتی معاون)

(۱) مسند احمد' ح ۱۱۹۳۵ و ۱۲۱۰۸ و ۱۲۷۲۲ و ۱۳۱٤۵۔ الترغیب والترھیب للمنذری ٤/۷۷۔ راوی: انس بن مالک ﷜.

## درس ۶

# اقامتِ دین کے لیے کام کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف

انجینئر نوید احمد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (المائدۃ)

## ☆ تمہیدی نکات:

۱) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ ششم سورۃ الشوریٰ آیات ۳۶ تا ۴۳، سورۃ الفتح آیت ۲۹ اور سورۃ المائدۃ آیت ۵۴ کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔ سورۃ الشوریٰ از اوّل تا آخر اقامت دین سے بحث کرتی ہے۔ سورۃ الفتح آیت ۲۸ میں اقامت دین کو نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد کا مقصد قرار دیا گیا۔ سورۃ المائدۃ میں نفاذِ شریعت اور اِس کے لیے جدوجہد کے موضوع پر تاکیدی مضمون اپنے نقطۂ عروج پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِن تینوں سورتوں میں اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

۲) منتخب نصاب نمبر۲ کے درسِ اوّل میں دینی فرائض کے جامع تصور کو واضح کیا گیا۔ درسِ دوم میں دینی فرائض ہی میں سے اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کی فرضیت کو نمایاں کیا گیا۔ درسِ سوم میں اقامتِ دین کی جدوجہد کے مقصد یعنی قیامِ عدل کی اہمیت اُجاگر کی گئی۔ درسِ چہارم میں سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اُس طریقۂ کار کو واضح کیا گیا جو موجودہ بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں اقامتِ دین کے لیے اختیار کیا جائے گا۔ درسِ پنجم میں اُس جماعت کی اساس، ہیئت ترکیبی اور نظم کے تقاضوں کو بیان کیا گیا جو اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے قائم کی جاتی ہے۔ اب درسِ ششم میں وہ اوصاف بیان کیے جائیں گے جو اقامتِ دین کے لیے کام کرنے والوں میں مطلوب ہیں۔

۳) یہ درس ہمارے لیے ایک آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآنِ حکیم کی روشنی میں اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والی جماعت کے اوصاف کا بیان پڑھ کر ہمیں اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہم نے ایک اعلیٰ مشن یعنی اللہ کی زمین پر اللہ کے عطا کردہ عادلانہ نظام کے قیام کی جدوجہد شروع کی ہے، لیکن اِس کام کے لیے مطلوبہ اوصاف بھی ہم میں ہیں یا نہیں؟ کام بہت بڑا ہے لیکن اُس کے لیے مطلوبہ اوصاف بھی ایسے اعلیٰ ہیں کہ اُن کا اختیار کرنا دشوار ہے۔ البتہ اگر اِن اوصاف کے حصول کے بلند ہدف کو سامنے

رکھ کر اپنی کردار سازی کی مسلسل کوشش کی جائے تو ان شاء اللہ ہمارا سیرت و کردار سنورتا چلا جائے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اِس نیک مقصد کے حصول کے لیے ہماری مدد فرمائے۔ آمین!

# آیات پر غور و فکر

## سورۃ الشوریٰ' آیت ۳۶

﴿فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''جو کچھ بھی تمہیں عطا کیا گیا ہے وہ محض دنیا کی (چند روزہ) زندگی کا سامان ہے''..... ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ ''اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا بھی''..... ﴿لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں''..... ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ ''اور اپنے ربّ پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

اِس آیت میں دو اوصاف کا بیان ہے' ترجیح آخرت اور اللہ پر توکّل۔ اِن دونوں اوصاف کا تعلق ایمان سے ہے۔ بلاشبہ دین کے عملی پہلو کے لیے ایمان کو جڑ کا درجہ حاصل ہے۔ یہ عملی پہلو چاہے انسان کی انفرادی زندگی اور اُس کی ذات سے متعلق ہو' چاہے شہادت علی الناس سے اور چاہے اقامتِ دین کی جدوجہد سے' اِن سب امور کے لیے غذا اور توانائی حاصل ہوتی ہے تو ایمان سے۔ اِسی ایمان کا لبِّ لباب ہیں یہ دو اوصاف یعنی ترجیح آخرت اور اللہ پر توکل۔

### ترجیح آخرت:

• اِس آیت میں سب سے پہلے آگاہ کیا گیا کہ جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے۔ کوئی بڑی سے بڑی شے ہو یا چھوٹی سے چھوٹی' وہ اِس دنیا کی چند روزہ زندگی کے برتنے کے لیے اللہ نے دی ہے۔ فرعون جیسی حکومت ہو یا قارون کا سا خزانہ یا کوئی عام استعمال کی شے ہو' وہ تمہاری اپنی کمائی ہوئی نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ تمہاری اپنی کمائی ہے' تمہاری اپنی محنت سے حاصل کردہ شے ہے' تمہاری اپنی صلاحیتوں کا ثمرہ ہے یا تمہاری ذہانت کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ سمجھو گے تو تمہارا قدم قارونیت کی طرف اٹھ جائے گا۔ اُس نے یہ کہا تھا کہ یہ دولت و ثروت میرے علم کا حاصل ہے: ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾۔

• دوسری بات یہ واضح کر دی گئی کہ یہ بس اِس چند روزہ دنیا کی زندگی کے برتنے کا سامان ہے' اِس کے سوا کچھ نہیں۔ تم اِسے اپنی ملکیت نہ سمجھ بیٹھنا۔ اللہ نے تمہیں یہاں امتحان کی خاطر کچھ عرصے کے لیے ٹھہرائے رکھنا ہے' جو دس بیس سال بھی ہو سکتا ہے' تیس چالیس سال بھی اور پچاس ساٹھ سال بھی۔ یہ تمہارا امتحانی عرصہ ہے۔ اگر کمرۂ امتحان میں تمہیں ایک کرسی اور میز دے دی گئی' وہاں تمہارے لیے پانی پینے کا کوئی اہتمام کر دیا گیا' کوئی ملازم خدمت کے لیے کھڑا ہے' تو کیا اِن چیزوں کے بارے میں تمہارا یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ تمہاری ملکیت ہیں؟ اِن سے تمہیں کوئی قلبی لگاؤ ہوتا ہے؟ بلکہ ساری توجہ کا ارتکاز تو امتحان پر ہوتا ہے۔ تو بس یوں سمجھو کہ یہ امتحانی وقفہ گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمہیں کچھ سامان دے دیا ہے۔ اگر اِس سے زیادہ اِس کے لیے دل میں کوئی وقعت پیدا ہو گئی اور اِس سے زیادہ کوئی تعلق خاطر قائم ہو گیا تو پھر اور جو چاہو کرو' اقامتِ دین کی وادی میں قدم نہ رکھنا ع ''جس کو ہو جان و دل عزیز' اُس کی گلی میں جائے کیوں!'' نقطۂ نظر کا اگر یہ فرق واقع نہیں ہوا ہے تو اِس راستے پر نہیں چل پاؤ گے۔ سوچ سمجھ کر اِس وادی میں قدم رکھو:

یہ شہادت گہہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

• تیسرا نکتہ اِس آیت میں یہ ہے کہ دنیا میں عطا کیا گیا ساز و سامان انسان کے لیے متاع یعنی استعمال اور استفادہ کے لیے ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ دنیا کی آسائشوں کو بالکل ہی ترک کر دو اور اُنہیں استعمال ہی نہ کرو۔ اللہ نے دنیا میں جو کچھ دیا ہے استعمال کے لیے ہی دیا ہے۔ سورۃ الاعراف (آیت ۳۲) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾

''(اے نبی ﷺ! اُن سے) پوچھئے کہ کس نے حرام کر دیا ہے اللہ کی اُس زینت کو جسے اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور اُس کے عطا کردہ پاکیزہ رزق کو؟''

اگر اللہ دولت دیتا ہے تو اُسے استعمال کرو' لیکن دولت کی محبت کو اپنے دل میں مت داخل ہونے دو۔ اِس دولت کو بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بناؤ' اُسے اِنفاق فی سبیل اللہ اور ادائے حقوق میں صرف کر دو۔

• دنیا کا ساز و سامان خواہ کتنا ہی قیمتی' نفیس اور کثرت سے ہو لیکن ہے عارضی۔ ایک

بادشاہ نے شاندار محل بنوایا اور ایک درویش کو اُس محل کے نظارہ کی دعوت دی۔ درویش نے تبصرہ کیا کہ اگر کسی طرح دو باتوں کا ازالہ ہو جائے تو پھر یہ محل بہت ہی عمدہ ہے۔ پہلی یہ کہ محل کے بارے میں ضمانت مل جائے کہ یہ ہمیشہ رہے گا۔ دوسرے یہ کہ بادشاہ سلامت بھی ہمیشہ اِس محل میں رہ سکیں گے۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ محل یہیں رہے گا اور بادشاہ سلامت دنیا سے چلے جائیں گے یا بادشاہ سلامت کے سامنے کوئی آفت اِس محل کو برباد کر دے گی۔ خود سوچیے کل صبح کسی کو پھانسی ہونی ہے اور آج آپ اُسے مخملیں گدے پر سلا دیں تو اُس کے لیے وہ مخملیں گدا چہ معنی دارد؟ اُسے پتا ہے کہ صبح اُسے پھانسی ہونی ہے۔ اِس اعتبار سے یہاں کے ساز و سامان اور یہاں کے مال و متاع کی کوئی وقعت دل میں نہ رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل)

''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے (یعنی کبھی ختم نہیں ہوگا) اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم اُن کو اُن کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے۔''

• اِس آیت میں یہ حقیقت بھی واضح کی گئی کہ دنیا کا ساز و سامان آخرت کے مقابلے میں گھٹیا اور کم تر ہے۔ تحریکی زندگی میں انسان کے لیے ایک دوراہا آتا ہے۔ ایک طرف پکار ہوتی ہے دنیا کی اور دوسری طرف اللہ کی۔ انسان عام طور پر اُلجھ جاتا ہے باوجود یہ معلوم ہونے کے کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے' اِس کی فوری ملنے والی لذتیں اپنی طرف کھینچ رہی ہوتی ہیں۔ ایسے میں انسان کو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ دنیا کی نعمتیں چند دن برتنے کا سامان ہیں۔ اگر اِن ہی کے حصول کے لیے محنت کی تو کیا ملے گا؟ اور اگر آخرت کے لیے جان و مال لگایا تو کیا ہاتھ آئے گا؟ ہمیں اپنی محنتوں کا ہدف بنانا چاہیے آخرت میں بخشش اور جنت کے حصول کو۔ بلاشبہ ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ (الاعلیٰ) کے مصداق آخرت میں ملنے والا اجر دائمی ہوگا اور بہتر بھی۔ دنیا کی سہولیات تو ہم بہت جتن کر کے حاصل کر پاتے ہیں لیکن آخرت میں کیفیت یہ ہوگی: ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾ (حٰمٓ السجدۃ) ''آخرت میں تمہارے لیے ہر وہ شے ہوگی جو تمہارا جی چاہے گا اور ہر وہ نعمت ملے گی جو تم مانگو گے۔'' بخاری اور مسلم میں روایت شدہ ایک حدیثِ قدسی ہے:

اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ، فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ﴾ (۱)

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا' نہ کسی کان نے اُن کا ذکر سنا اور نہ ہی کسی دل پر اُن کا خیال گزرا' (آپ ﷺ نے فرمایا) اگر تم چاہو تو پڑھ لو: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ﴾ (کسی انسان کو نہیں معلوم کہ کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک اُس کے لیے پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ السجدۃ: ۱۷''۔

اِسی لیے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ)) (۲)

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو پالے اور عمل کرے موت کے بعد کی زندگی کے لیے۔''

• ﴿فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتوں کے حوالے سے کوئی تخصیص نہیں ہے۔ یہ نعمتیں مؤمنوں کے لیے بھی ہیں اور کافروں کے لیے بھی' صالحین کے لیے بھی ہیں اور فاسقین کے لیے بھی۔ البتہ آخرت میں جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ سب کے لیے نہیں ہے۔ وہ خاص ہے اور صرف ﴿لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ یعنی اُن کے لیے ہے جو واقعی صدقِ دل سے ایمان لائیں اور اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

• یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے ساز و سامان کی محبت انسان کے پاؤں کی بیڑی بن جاتی ہے۔ وہ اللہ کی راہ پر چلنا چاہتا ہے لیکن چل نہیں پاتا۔ دین کی خاطر مال یا وقت کی قربانی دینا اُس کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگوں کے دلوں میں کسی وقت ایمانی کیفیات عروج پر آتی ہیں اور اُن کے دل میں دین کے لیے آگے بڑھنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے لیکن دنیا کی محبت کی وجہ سے آگے بڑھنے اور دین کے لیے فعال ہونے سے محروم رہتے ہیں۔ البتہ اگر مذکورہ بالا حقائق سامنے رہیں تو امید ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ دین کی خدمت کے لیے فعال کردار ادا کرتے رہیں گے۔

## توکّل علی اللہ:

• اقامتِ دین کی جدوجہد میں آگے بڑھنے کے لیے دوسرا وصف یہ مطلوب ہے کہ توکّل صرف اللہ تعالیٰ پر ہو۔ تمام امیدیں اور توقعات اُسی سے وابستہ ہوں۔ ہمارا بھروسہ اپنی

ذہانت' منصوبہ بندی' فراہم کردہ اسباب' محنت' زورِ بازو اور مخلوقات پر نہ ہو۔ کُل انحصار اللہ کی توفیق اور اُس کی تائید و نصرت پر ہو۔ ہمارا کام محنت کرنا' مشقت جھیلنا' ایثار کرنا' قربانیاں دینا ہے۔ اگر ہم یہ کر گزریں تو ہم سرخرو ہو جائیں گے۔ ہوگا وہی: جو اللہ چاہے گا اور اُس وقت ہوگا جب اُسے منظور ہوگا۔ فیصلہ ہماری خواہش کے مطابق نہیں ہوگا۔ ہم تو چاہیں گے کہ ع ''منزل کی طرف دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے!'' لیکن ممکن ہے کہ اللہ کو ابھی یہ منظور نہ ہو۔ توکل یہ ہے کہ ہم طے کر لیں کہ ہمیں بھی وہی کچھ پسند ہے جو اللہ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ راضی برضائے ربّ کی سعادت پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

• توکّل سے مراد یہ بھی ہے کہ انسان اپنے وسائل کی کمی سے دل شکستہ اور حق کے مخالفین کے وسائل کی کثرت سے مرعوب نہ ہو۔ اُسے یقین ہو کہ کائنات میں فاعلِ حقیقی اللہ ہے۔ اسباب اللہ کے پابند ہیں لیکن اللہ اسباب کا پابند نہیں ہے۔ وہ اسباب کے بغیر بھی جو چاہے کر سکتا ہے۔ انسان کا طرزِ عمل اُن جوان مَردوں کی طرح ہو جن کے بارے میں کہا گیا:

﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ﴾ (آل عمران)

''(جب) اُن سے لوگوں نے آ کر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لیے (لشکرِ کثیر) جمع کیا ہے اُن سے ڈرو تو اُن کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

وہ وسائل کی کمی' کام کی سست رفتاری اور مخالفین کی منظم سازشوں سے مایوس نہ ہو۔ نتائج کی پروا کیے بغیر مسلسل محنت کرتا رہے۔ دل اِس پر جما ہوا ہو کہ ﴿ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ (التغابن:۹) یعنی ہار اور جیت کے فیصلے کا دن تو آخرت کا ہے۔ جو اُس دن ہارا' وہ واقعی ہار گیا اور جو اُس روز جیتا' وہ ہمیشہ کے لیے جیت گیا۔

• بلاشبہ توکل کے ذریعے انسان ایک مضبوط سہارا تھام لیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق: ۳)

''اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو اللہ اُس کے لیے کافی ہے۔''

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے!

دنیا میں انسان ذاتی طور پر کئی مسائل سے دوچار ہوتا ہے۔ پھر اللہ نے ہمارے لیے رہبانیت والی نہیں بلکہ اہل وعیال والی زندگی پسند فرمائی ہے۔ اب اہل وعیال ہوں گے تو اُن کے حوالے سے کوئی نہ کوئی فکر بھی انسان کو ہوگی۔ اللہ ہی نے اُن کی محبت انسان کے دل میں ڈالی ہے۔ انسان اُن کے لیے ضروریاتِ زندگی، تعلیم و تربیت، خطرات سے حفاظت اور خوشگوار مستقبل کے حوالے سے فکر مند ہوتا ہے۔ یہ احساس کہ میں تنہا نہیں، میرے ساتھ اللہ ہے اور پھر اللہ ہی پر توکل انسان کے لیے بہت بڑا سہارا بن جاتا ہے: ؎

ہر حال میں رہا جو تیرا آسرا مجھے
مایوس کر سکا نہ ہجومِ بلا مجھے!

توکل کے اعتبار سے مطلوب یہ ہے کہ انسان اللہ کے احکامات کے مطابق حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی پوری کوشش کرے اور ﴿وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ﴾ کے مصداق اپنے تمام تفکرات اللہ کے حوالے کردے: ؎

کار سازِ ما بفکرِ کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

''ہمارا کارساز ہمارے مسائل کے حل کا دھیان رکھتا ہے۔ ہمارا بذاتِ خود اپنے مسائل کے حل کے بارے میں متفکر ہونا ہمیں پریشان کردیتا ہے۔''

دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے انسان کو اکثر اوقات اپنا گھر بار اور کاروبار چھوڑ کر سفر پر نکلنا ہوتا ہے۔ انسان کو گھر اور کاروبار کے حوالے سے خدشات لاحق ہوتے ہیں۔ اللہ پر توکل کی افادیت یہ ہے کہ انسان پورے یقینِ قلبی کے ساتھ دعا پڑھ لے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اَصْحَبْنَا فِیْ سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِیْ اَھْلِنَا(۳)

''اے اللہ! تو سفر میں ساتھ دینے والا ہے اور ہمارے بعد ہمارے گھر والوں کا نگران اور حفاظت کرنے والا ہے۔ اے اللہ! ہمارے سفر میں ہمیں اپنا ساتھ عطا فرما اور ہمارے بعد ہمارے گھر والوں کی نگرانی وحفاظت فرما۔''

اب اگر اللہ ہی پر بھروسے کے ساتھ یہ دعا پڑھی جائے گی تو واقعتاً محسوس ہوگا کہ میرے گھر میں موجود ہونے سے میرا گھر اتنا محفوظ نہیں تھا جتنا اب ہوگیا ہے۔ معاملہ میرے ہاتھ سے آگے بڑھ کر اللہ کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا، قادر، اور

طاقتور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اِن احساسات کے ساتھ انسان کا گھر سے نکلنا' کاروبار چھوڑنا یا ملازمت سے چھٹی لینا انتہائی آسان ہو جائے گا۔

• اللہ پر توکّل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امکانی حد تک جو کوشش انسان کر سکتا ہو وہ نہ کی جائے' ممکن اسباب فراہم نہ کیے جائیں' بغیر اسباب فراہم کیے اللہ کو آزمایا جائے اور حق و باطل کی کشمکش میں فیصلے اسباب کے اعتبار سے نہ کیے جائیں۔ توکّل کے معنی ہیں اسباب فراہم کیے جائیں لیکن بھروسہ اسباب پر نہیں مسبّب الاسباب پر کیا جائے' یعنی اونٹ کو باندھا جائے اور پھر اللہ پر توکّل کیا جائے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((.....وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا اَنْ لَا تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدَيْكَ اَوْثَقَ مِمَّا فِيْ يَدِ اللّٰهِ)) (٤)

''.....لیکن دنیا میں زہد یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے اپنے ہاتھوں میں ہے اس پر تمہیں اس شے سے زیادہ توکّل اور اعتماد نہ ہو جائے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

## سورۃ الشوریٰ' آیت ۳۷

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ﴾ ''اور وہ لوگ کہ جو پرہیز کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے''..... ﴿وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝٣٧﴾ ''اور اگر غصہ میں آ جائیں تو درگزر کر جاتے ہیں۔''

اِس آیت میں اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے دو اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ کبائر اور فواحش سے اجتناب اور حالتِ غصہ میں درگزر۔

## کبائر اور فواحش سے اجتناب:

• اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا تیسرا وصف یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ قرآنِ مجید میں دو اور مقامات پر بھی وارد ہوا ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝٣١﴾

''اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب کرو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں

داخل کریں گے۔"

سورۃ النجم میں وارد ہوا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ﴾ (آیت ۳۲)

"جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں سوائے کچھ آلودگیوں کے۔ بے شک (اے نبی ﷺ) آپ کا رب بڑی بخشش والا ہے۔"

گویا اللہ کے محبوب بندوں کا ایک وصف یہ ہے کہ ان کی توجہ بڑے بڑے گناہوں سے بچنے یعنی فرائض ادا کرنے اور حرام سے پرہیز کرنے پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ وہ ایسے لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گناہ خود ہی معاف فرما دے گا۔

• کبائر سے اجتناب کا یہ وصف دراصل انسان کے نیکی کے جذبہ کو متوازن رکھنے کا مظہر ہے۔ دیگر جذبات کی طرح نیکی کا جذبہ بھی حدود میں نہیں رہتا اور دو اعتبارات سے عدم توازن کی صورت اختیار کر لیتا ہے:

i) اپنے ہی نفس کے تزکیہ میں لگے رہنا اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش سے خود غرضانہ اور مجرمانہ غفلت برتنا، یعنی راہبانہ تصورِ نیکی۔ جب ازمان پر اس تصور کا غلبہ ہوتا ہے تو اُس کی باریک بینی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک برائی سے خود کو بچاتا ہے تو ایک اور نظر آ جاتی ہے۔ یہ سلسلہ رُکتا ہی نہیں۔ یہ ہے اصلاحِ ذات کے حوالے سے غلو یعنی over emphasis on self purification۔ اپنے کردار میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر توجہات کو زیادہ مرکوز کرنے سے صورت وہ پیدا ہوتی کہ مچھر چھانے جاتے ہیں لیکن سالم اونٹ نگل لیے جاتے ہیں۔ کمائی حرام کی ہے لیکن کھانا کھاتے وقت مسنون طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ پھر یہ غلو ہی ہے جو اقامتِ دین کی راہ کی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اگر انسان کی ساری توجہ اپنی انفرادی اصلاح پر مرتکز ہو کر رہ جائے تو پھر معاشرے کی اصلاح اور اللہ کے دین کے غلبہ کی طرف انسان کا دھیان ہی نہیں جاتا۔ انسان کے پاس ہر جذبہ کے اظہار کے لیے محدود قوت کار ہوتی ہے۔ اگر نیکی کا جذبہ صرف ذاتی اصلاح ہی کے لیے بروئے کار آئے تو انسان لازماً اجتماعی فرائض سے پہلوتہی کرنے لگتا ہے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں عدمِ توازن کا ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کے لیے شدید

وعید بیان ہوئی ہے:

((اَوْحَی اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبْرِیْلَ علیہ السلام اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَۃَ کَذَا وَ کَذَا بِاَھْلِھَا، قَالَ: یَا رَبِّ اِنَّ فِیْھِمْ عَبْدَکَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِکَ طَرْفَۃَ عَیْنٍ، قَالَ: فَقَالَ: اقْلِبْھَا عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ، فَاِنَّ وَجْھَہٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَۃً قَطُّ)) (۵)

''اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جبرائیلؑ کو کہ فلاں شہر کو مع اُس کے باشندوں کے اُلٹ دو۔ جبرائیلؑ نے عرض کی: اے پروردگار! اُن لوگوں میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے دوران (یعنی ایک لمحہ) بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُس شہر کو دیگر باشندوں کے ساتھ اُس پر بھی الٹ دو کیوں کہ (شہر والوں کے کرتوتوں پر) میری خاطر اُس کا چہرہ ایک گھڑی بھی متغیر نہیں ہوا۔''

غور کیجیے ایک شخص یہاں تک آ گیا کہ اُس نے اللہ کو پہچان لیا اور طے بھی کر لیا کہ مجھے اللہ ہی کی رضا حاصل کرنی ہے۔ گویا اُس کا نصب العین بھی درست ہو گیا۔ پھر یہ کہ اپنے نفس کی شرارتوں پر بھی قابو پا لیا۔ اب آخرت کی تیاری کے لیے گناہوں سے بچ رہا ہے' حرام خوری سے اجتناب کر رہا ہے اور فواحش و منکرات سے بالکل دور ہے۔ تقویٰ کی انتہا یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور گواہی دے رہے ہیں کہ وہ پلک جھپکنے میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ لیکن اُس کی بے حمیتی کا یہ عالم ہے کہ اُسے اِس سے کوئی غرض ہی نہیں کہ باہر اللہ کے احکامات توڑے جا رہے ہیں' بے حیائی کا سیلاب کس طور سے آ رہا ہے' اللہ کی شریعت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور کفر کس طرح سے دندنا رہا ہے؟ یہ اِس بے حمیتی کی سزا ہے کہ باوجود تقویٰ کی بلندی پر ہونے کہ وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو گیا۔

دراصل یہ شیطان ہے جو اللہ کے نیک بندوں کو کونوں کھدروں' خانقاہوں اور آبادیوں سے دُور غاروں میں بٹھا کر عبادات اور ریاضتوں کی راہ سجھاتا ہے۔ اُن کی نیکی کا رُخ ذاتی اصلاح کی طرف موڑ دیتا ہے تاکہ وہ کہیں نظام کی اصلاح کے لیے میدان میں نہ آ جائیں اور اُن کی نیکی کہیں بدی کے لیے چیلنج نہ بن جائے۔ شیطان چاہتا ہے کہ معاشرے میں ظلم و ستم کرنے والوں کو کھلی چھوٹ مل جائے اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے لوٹ کھسوٹ جاری رکھیں۔ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ وہ ایک ہی ہتھیار سے سب کو شکار نہیں کرتا۔ اول تو وہ سیدھی راہ کی طرف آنے ہی سے روکتا ہے۔ اگر کوئی شخص شیطانی حملوں کا مقابلہ کرتے ہوئے

ایمان اور عملِ صالح کی منزلیں طے کر رہا ہے' تو شیطان اُس کی توجہ آخری منزل یعنی اِقامت دین کی جدوجہد سے ہٹا کر تزکیہ نفس کے خانقاہی تصوّر کی طرف پھیر دیتا ہے۔ بس اپنی ہی ذات کو رگڑے جاؤ' اِسی کو مانجھے جاؤ اور اِسی کو سنوارے جاؤ۔ لگے رہو نمازوں میں' روزانہ روزے رکھنے میں' مشغول رہو پوری پوری رات عبادات میں لیکن میرے مقابلے میں نہ آؤ' میرے نظام کو چیلنج نہ کرو' استحصالی واستبدادی نظام کے لیے خطرہ نہ بنو۔

علامہ اقبال اپنی معرکۃ الآراء نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں پیغام دیتے ہیں کہ ابلیسی نظام کو اصل خطرہ مسلمانوں سے ہے کہ کہیں وہ بیدار ہو کر پھر سے اسلام کے عادلانہ نظام کو غالب کرنے کے لیے سرگرم نہ ہو جائیں۔ ابلیس کہتا ہے:

ہر نفس ڈرتا ہوں اِس اُمت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

ابلیس اپنے خطرات کے سدّباب کے لیے مسلمانوں کا یہ علاج تجویز کرتا ہے کہ: ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اِسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اِسے!

نبی اکرم ﷺ نے اِس کے برعکس اُمتِ مسلمہ کو میدان میں نکل کر باطل کے خلاف مال و جان سے جہاد کرنے کی تلقین فرمائی۔ مسندِ احمد میں آپ ﷺ کا ارشاد نقل ہوا:

((لِكُلِّ نَبِيٍّ رَهْبَانِيَّةٌ وَرَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))(۶)

''ہر نبی کے لیے ایک رہبانیت ہے اور اِس امت کی رہبانیت ہے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

بقول اقبال: ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری!

اسلام کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں ہماری توجہ ظلم کے خاتمہ اور باطل کے استیصال کی طرف رہے۔ ہم ایک انقلابی عمل میں مصروف رہ کر باطل کے ساتھ اُس وقت تک پنجہ آزمائی کرتے رہیں جب تک دینِ حق غالب نہ ہو جائے۔ انقلابی عمل کے دوران بھی تکالیف اور مصائب آئیں گے' فاقوں کی نوبت آئے گی' پیٹ پر پتھر بھی باندھنے پڑیں گے'

راتوں کو سونا نصیب نہیں ہوگا۔ مختصراً یہ کہ وہ ساری مشکلات اور مصائب جو خواہ مخواہ ایک تکلف وتصنع کی شکل میں نظامِ رہبانیت میں انسان اپنے اوپر طاری کرتا ہے' سب کے سب آئیں گے' لیکن اب وہ کارآمد (productive) ہوں گے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِس طرح کی مشقتوں کے نتیجہ میں معاشرے میں عدل قائم ہوگا اور لوگوں کو سکون میسّر آئے گا۔ رہبانیت کا نظام تو درحقیقت ایک اعتبار سے ظلم اور شر کو تقویت پہنچاتا ہے۔ نیک لوگ میدان سے ہٹ جاتے ہیں اور معاشرہ میں ظالموں اور شریروں کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔ اب اُنہیں کوئی چیلنج کرنے والا نہیں ہوتا اور وہ لوٹ کھسوٹ کی آخری حد کو پہنچ جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں بھی ذاتی اصلاح کے لیے رہبانیت کی طرز پر خانقاہیت کا ادارہ وجود میں آ گیا ہے۔ اِس کے تحت ساری توجہ انفرادی اصلاح پر ہے۔ اِس کی ریاضتوں میں اتنا وقت لگ جاتا ہے کہ ماحول کی اصلاح کے لیے نکلنا' نیکی کی قوتوں کو منظم کرنا' ماحول میں تبدیلی لانے کے لیے باطل کو للکارنا اور پھر باطل کے ساتھ ٹکرانا انسان کے لیے ممکن ہی نہیں رہتا۔ دین غالب ہو' اصلاحِ معاشرہ کا کام حکومت کر رہی ہو تو ذاتی اصلاح ہی کی طرف توجہ دینا درست ہے۔ ہمارے ہاں تزکیہ کے سلسلے ایسے وقت میں شروع ہوئے جب دین غالب تھا۔ اصلاحِ معاشرہ کی ذمہ داری اسلامی حکومت ادا کر رہی تھی۔ اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب دین مغلوب ہے لہٰذا اب بیعتِ ارشاد کی نہیں بلکہ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے بیعتِ جہاد کی ضرورت ہے۔

ii) عدمِ توازن کی دوسری صورت یہ ہے کہ دوسروں کو تو خوب وعظ ونصیحت کرنا اور تحریکی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا لیکن اپنے ذاتی عمل کی اصلاح اور ترقی سے غفلت برتنا۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے یوں تنبیہ فرمائی :

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''کیا تم لوگوں کو نیکی کرنے کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کیے دیتے ہو حالانکہ تم (اللہ تعالیٰ کی) کتاب بھی پڑھتے ہو۔ تو کیا تم سوچتے نہیں ہو؟''

یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ جب تک ہم ذاتی زندگی میں تقویٰ پر عمل نہیں کریں گے اللہ کی مدد نہیں آئے گی اور معاشرے میں ہمارے تحریکی کاموں کے اثرات ظاہر نہیں ہوں گے۔

فرامینِ باری تعالیٰ ہیں:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرۃ)

''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل)

''بے شک اللہ تو اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں اور جو عمدگی سے نیکی کرنے والے ہیں۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (الانفال)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تو اللہ حق اور باطل کے درمیان فیصلے کو تمہارے حق میں کر دے گا اور تم سے تمہاری خطاؤں کو دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا' اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔''

متوازن طرزِ عمل یہ ہے کہ بڑے بڑے گناہوں سے اپنے آپ کو بچایا جائے اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے میدانِ عمل میں قدم رکھا جائے۔ ہماری اپنی مزید اصلاح اِس جدوجہد کے دوران ہوگی۔ اگر ہم یہ فیصلہ کر لیں کہ اپنی اصلاح کے عمل کو کامل کر کے اصلاحِ معاشرہ کی جدوجہد کریں گے تو وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔ آدمی کامل تو کبھی ہوگا ہی نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میں کامل ہو گیا؟ اصلاح تو زندگی بھر کے لیے ایک مسلسل عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے عدمِ توازن سے بچائے اور اُن لوگوں میں شامل فرمائے جو انفرادی اصلاح اور معاشرے کی اصلاح' دونوں عمل ساتھ ساتھ انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ آمین!

• اِس آیت میں کبائر کے ساتھ ساتھ فواحش سے بچنے کا وصف بھی بیان کیا گیا ہے۔ عام طور پر فواحش سے مراد وہ برائیاں لی جاتی ہیں جو انسان کے جنسی کردار سے متعلق ہوتی ہیں۔ اللہ نے انسان کے اندر زوردار جنسی جذبات رکھے ہیں تاکہ نسلِ انسانی کی افزائش جاری رہ سکے۔ اِن جذبات کو قابو میں رکھنا آسان نہیں۔ اِسی لیے ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ))(۷)

''جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کے بارے میں ضمانت دے گا میں اُسے جنت کی ضمانت دوں گا۔''

جنسی معاملات میں انسان کو بہت زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر انسان اِس

معاملے میں اپنی حس کو تیز نہیں رکھے گا تو غیر محسوس طور پر برائی کے راستے پر آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ اِس حوالے سے ضروری ہے کہ ستر و حجاب کے احکامات کی سختی سے پابندی کی جائے' مخلوط محافل میں شرکت سے اجتناب کیا جائے' نظروں کی حفاظت کی جائے اور اللہ سے خصوصی دعا کی جائے وہ ہمیں جنسی اعتبار سے ہر برائی سے محفوظ فرمائے۔ اللہ کے فضل کے بغیر جنسی اعتبار سے پاکیزہ رہنا ناممکن ہے۔ سورۃ النور (آیت ۲۱) میں ارشاد ہوا:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ﴾

''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی پاکیزہ نہ رہ سکتا' لیکن یہ اللہ ہے جو پاک رکھتا ہے اُسے جسے وہ چاہتا ہے۔''

## حالتِ غصہ میں عفو و درگزر:

• اِقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا چوتھا وصف یہ بیان ہوا جب اُنہیں غصہ آجاتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اِس آیت میں غصے کی نفی نہیں ہے۔ غصہ کا آنا انسان میں غیرت و حمیت کا مظہر ہے۔ خاص طور پر اللہ کی نافرمانیوں کو دیکھ کر تو ضرور غصہ آنا چاہیے۔ البتہ مطلوبہ وصف یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں کوئی اقدام نہ کیا جائے یا جھنجھلاہٹ میں آکر زبان سے کوئی کلمہ نہ نکالا جائے۔ غصہ میں کیے گئے فیصلوں پر اکثر و بیشتر ندامت و پشیمانی ہوتی ہے۔ غصہ آئے تو اُسے پینے کی کوشش کی جائے اور درگزر سے کام لیا جائے۔ سورۂ آلِ عمران (آیت ۱۳۴) میں اہل تقویٰ کی صفات کے ضمن میں وارد ہوا:

﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں (مال) خوشحالی میں بھی اور تنگی میں بھی اور جو کہ دبانے والے ہیں غصہ کو اور جو معاف کرنے والے ہیں لوگوں کو' اور اللہ ایسے نیکوکاروں کو پسند فرماتا ہے۔''

بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا' وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی' جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا!

• یہ وصف اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے بہت اہم ہے۔ بعض اوقات کسی منکر کو دیکھ کر یا نظامِ باطل کے ظلم و استحصال سے مشتعل ہو کر ایسا اقدام کر لیا جاتا ہے جس سے کوئی مثبت تبدیلی تو نہیں آتی لیکن اقامتِ دین کے مشن میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ تحریک بڑی محنت سے حاصل کی گئی پیش رفت سے نہ صرف محروم ہو جاتی ہے بلکہ اُسے انتہائی پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے مکی دور میں بُتوں کی خباثت کو بادلِ نخواستہ برداشت کیا۔ اگر وہ غصہ سے مغلوب ہو کر بتوں کو توڑ دیتے تو مشرکین ضد میں اور زیادہ بت نصب کر دیتے اور اہلِ حق کو مکمل طور پر کچل دیتے۔ اِسی اُسوہ پر عمل کرتے ہوئے اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کو مناسب قوت کی فراہمی تک منکرات یا حکومت کے مظالم کے خلاف اقدام نہیں کرنا چاہیے۔ بقول اقبال: ؎

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اِسے اور ذرا تھام ابھی

• اقامتِ دین کی جدوجہد کے دوران بعض اوقات ساتھیوں کی کم کوشی اور نظم کی خلاف ورزی پر بھی غصہ آتا ہے۔ اب اگر غصہ میں سخت الفاظ کہہ دیے تو ممکن ہے وہ ساتھی بالکل ہی بددل ہو جائے اور اب باہم مل کر کام کرنے کے لیے مطلوبہ سازگار فضا ختم ہو جائے یا وہ ساتھی ساتھ ہی چھوڑ جائے۔ لہٰذا اقامتِ دین کی جدوجہد میں صبر کی دیگر صورتوں کے ساتھ ساتھ ایک صورت یہ بھی ہے کہ ساتھیوں کی کم کوشی پر بھی صبر کیا جائے تاکہ کام آگے بڑھتا رہے: ؎

نومید نہ ہو اِن سے اے رہبر فرزانہ!
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

• غصہ کے دوران خود کو قابو میں رکھنے کے حوالے سے یہ حدیثِ مبارکہ بھی ہمارے سامنے رہنی چاہیے کہ:

((اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) (۸)

''چار خصلتیں جس میں بھی ہوں وہ پکا منافق ہے اور کسی شخص میں اُن میں سے ایک خصلت ہو تو یہ بھی نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اِس سے باز آجائے۔ (وہ

چار خصلتیں یہ ہیں) جب اُس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو دھوکہ دے اور جب جھگڑے تو آپے سے باہر ہو جائے۔"

اگر غصہ میں یہ کیفیت ہو کہ جو منہ میں آیا کہہ دیا اور جو اینٹ روڑا ہاتھ میں آیا دے مارا' تو یہ درحقیقت نفاق کی ایک علامت ہے۔ اگر اقامتِ دین کی جدوجہد کرنی ہے تو نفاق کی اِس علامت کو چھوڑنے کی شعوری کوشش کرنا ہوگی اور غصہ کی حالت میں ضبطِ نفس کا وصف اختیار کرنا ہوگا۔

## سورۃ الشوریٰ' آیت ۳۸

﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ﴾ "اور جو اپنے ربّ کی پکار پر لبیک کہتے ہیں"..... ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ "اور جو نماز قائم کرتے ہیں"..... ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ "اور وہ اپنے معاملات باہم مشورے سے چلاتے ہیں"..... ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ "اور ہم نے جو رزق اُنہیں دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

اِس آیت میں اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے چار اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اللہ کی پکار پر لبیک کہنا' نماز قائم کرنا' باہمی معاملات مشاورت سے طے کرنا اور اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرنا۔

## اللہ کی پکار پر لبیک کہنا:

• اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا پانچواں وصف ہے اللہ کی پکار پر لبیک کہنا۔ اللہ کا جو حکم بھی وجوب کے اسلوب میں انسان کے سامنے آئے' انسان پورے ذوق و شوق کے ساتھ اُس پر عمل کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائے۔ بقول فیض ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریتِ جاں' راحتِ تن' صحتِ داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی
اِس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار
کڑکے ہیں بہت شیخ سرِ گوشۂ منبر
گرجے ہیں بہت اہلِ حکم بر سرِ دربار

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت
اِس عشق نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اِس دل میں بجز داغِ ندامت

• ویسے تو اللہ کی ہر پکار پر لبیک کہنا اللہ کے محبوب بندوں کا وصف ہے لیکن زیرِ مطالعہ سورۂ مبارکہ یعنی سورۃ الشوریٰ میں اللہ کی صرف ایک ہی پکار وارد ہوئی ہے اور وہ ہے:

﴿ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ﴾ (الشوریٰ: ۱۳)

''دین کو قائم کرو اور اِس معاملہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ۔''

گویا یہاں اقامتِ دین کے لیے اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کا وصف بیان کیا جا رہا ہے۔ اِس وصف کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ذہن میں تازہ کیجیے کہ ہمارے اِس درس کا موضوع ہے ''اقامتِ دین کے لیے کام کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف''۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے اللہ کے حکم پر لبیک کہنا ہی وہ اصل وصف ہے جس کے لیے ہم سورۃ الشوریٰ کی اِن آیات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اِس وصف سے قبل جو چار اوصاف بیان کیے گئے وہ بنیادی اوصاف (pre-requisites) تھے۔ اِن اوصاف کے ساتھ جو اقامتِ دین کے لیے میدان میں آئے گا وہی اِس میدان کی مشکلات کا استقامت کے ساتھ مقابلہ کر سکے گا۔

• اِس آیت میں اللہ نے ترغیب کے اسلوب میں اپنے محبوب بندوں کی یہ صفت بتائی کہ وہ اللہ کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ البتہ جو لوگ ایسا نہ کریں اُن کے لیے قرآنِ مجید میں بڑے جھنجھوڑنے کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ دو مرتبہ اِسی سورۂ مبارکہ میں اور ایک مرتبہ سورۃ الانفال میں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴾ (الشوریٰ)

''اور وہ لوگ جو کہ اللہ کے (احکامات کے) بارے میں حجت بازی کرتے ہیں اِس کے بعد کہ اللہ کی پکار پر لبیک کہا جا چکا ہے اُن کی ساری حجت بازی اُن کے رب کے نزدیک باطل ہے۔ اُن پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اُن کے لیے سخت عذاب ہے۔''

﴿ اِسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ

مَّلْجَاَ يَوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ (الشوریٰ)

''اپنے ربّ کی پکار پر لبیک کہو اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے کہ جسے پھر اللہ کے سامنے پھیرا نہ جا سکے گا۔ اُس روز تمہارے لیے نہ کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ ہی تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنے والا ہوگا۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾ (الانفال)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لبیک کہو اللہ اور اُس کے رسول کی پکار پر جبکہ وہ (اللہ) تمہیں پکارے تا کہ اِس کے ذریعے سے وہ تمہیں (پاکیزہ) زندگی دے۔ جان لو اللہ حائل ہو جایا کرتا ہے بندے اور اُس کے دل کے درمیان اور اُسی کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے۔''

## نماز قائم کرنا:

• اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا چھٹا وصف ہے نماز قائم کرنا۔ ایک مؤمن کی زندگی کا نصب العین اللہ کی رضا کا حصول ہوتا ہے۔ اُس کی ساری دینی سرگرمیاں اِسی کی خاطر ہوتی ہیں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انقلابی جدّوجہد میں ثابت قدم رہنے کا دارومدار اپنے نصب العین کے ساتھ پوری یکسوئی کے ساتھ وابستگی اور لگاؤ پر ہے۔ اپنے نصب العین سے وابستگی جس قدر گہری ہوگی اُسی قدر مشکلات کو برداشت کرنے اور مصائب جھیلنے کا حوصلہ زیادہ ہوگا۔ انسان نتائج کی پروا کیے بغیر محنت کرتا رہے گا۔ نماز، خصوصاً نوافل کا اہتمام اِس نصب العین کے ساتھ وابستگی کا انتہائی مؤثر ذریعہ ہے۔

• یہ طرزِ عمل درست نہیں کہ ہم دین کی خدمت کے لیے تحریکی کاموں میں تو خوب وقت لگائیں لیکن اللہ سے لو لگانے کے لیے کچھ وقت مخصوص کرنے پر توجہ نہ دیں۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ دینی مساعی کے ساتھ ساتھ اللہ سے بھی لو لگائی جائے اور اُس کی جناب میں گڑگڑا کر مدد کی دعا کی جائے۔ اللہ سے لو لگانے کی بہترین صورت نماز ہے۔ فرض نماز کے علاوہ نوافل کا اہتمام اِس لیے ضروری ہے کہ ان میں انسان سکون سے طویل قیام و سجود اور اللہ سے مناجات کر سکتا ہے۔ فرض نماز میں تو امام صاحب کی اقتدا کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ نوافل میں بھی زیادہ اہمیت رات کے پچھلے پہر نمازِ تہجد کی ادائیگی کی ہے۔ مسلم شریف کی ایک روایت کے

مطابق اِس وقت سماءِ دنیا پر اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پکارتا ہے:

((هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهٗ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهٗ؟)) (۹)

''ہے کوئی مانگنے والا کہ اُس کو عطا کیا جائے؟ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اُس کی دعا پوری کی جائے؟ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ اُس کو بخش دیا جائے؟''

اقبال نے کیا خوب کہا ہے: ؎

عطار ہو' رومی ہو' رازی ہو' غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

• نماز اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کی تربیت اور تزکیہ میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ فرض نماز میں امام کی اقتدا سمع وطاعت کا خوگر بناتی ہے' باجماعت نماز میں شرکت وقت کی پابندی کا عادی بناتی ہے اور انسان کے سیرت وکردار کو برائیوں سے پاک کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ (العنکبوت: ۴۵)

''یقیناً نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔''

نماز برائی اور بے حیائی سے اِس لیے روکتی ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝﴾ کے الفاظ کے ذریعے اللہ سے عہدِ بندگی کو تازہ کیا جاتا ہے: ؎

سرکشی نے کردیے دھندلے نقوشِ بندگی
آؤ سجدے میں گریں لوحِ جبیں تازہ کریں!

جو لوگ نماز کو سمجھ کر اور پورے شعور کے ساتھ ادا کرتے ہیں' وہ اپنے عہدِ بندگی کا پاس کرتے ہیں اور برائیوں اور بے حیائی کے کاموں سے باز آجاتے ہیں۔

• نماز اللہ کی نصرت حاصل کرنے کا بھی مؤثر ذریعہ ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۳) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝۱۵۳﴾

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

کٹھن مراحل میں اللہ کی مدد کے حصول کے ذرائع ہیں نماز اور صبر۔ مشکلات کے دوران انسان کا بڑا سہارا نماز ہے۔ پھر یہ حقیقت ہمیشہ سامنے رہنی چاہیے کہ انقلابی جدوجہد کے دوران استقامت اور اِس جدوجہد میں کامیابی کا انحصار اسباب پر نہیں' اللہ کی مدد پر ہوتا ہے۔ یہ مادہ پرستی کی ایک صورت ہے کہ بھروسہ اپنی دینی مساعی پر ہو نہ کہ اللہ کی نصرت پر۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا:

﴿اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکے گا؟ اور مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔''

اللہ کی مدد اللہ سے خصوصی تعلق قائم کر کے حاصل ہوتی ہے۔ نماز کی غرض و غایت ہی اللہ کی یاد اور اُس کے ساتھ تعلق کو زندہ کرنا اور مضبوط رکھنا ہے۔

## باہمی معاملات مشاورت سے طے کرنا:

• اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا ساتواں وصف ہے: ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ﴾ یعنی وہ باہمی معاملات مشاورت سے طے کرتے ہیں۔ مشاورت جماعت کے امیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ خود کو عقلِ کل نہیں سمجھتا لہٰذا فیصلہ کرنے سے قبل دوسروں سے بھی مشورہ کر کے اُن کی آراء کو بھی جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ بلاشبہ یہی محتاط روش ہے۔ اِس سے معاملہ کے کئی پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں اور ممکنہ فیصلوں کے اثرات کا بھی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

• باہمی مشاورت کی ایک افادیت یہ بھی ہے کہ اِس سے ایک دوسرے کے لیے اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ کسی سے سو بار کہنے سے کہ امیر کے دل میں آپ کی بڑی قدر ہے وہ یقین پیدا نہیں ہوتا جو مشورہ لینے سے پیدا ہوتا ہے۔ مشورہ لینے سے ساتھی محسوس کرتے ہیں کہ امیر کی نگاہ میں ہماری واقعی اہمیت ہے۔ اُنہیں معاملات میں شرکت کا احساس ہوتا ہے۔ اب وہ زیادہ ذوق وشوق سے مختلف امور میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اِس کے برعکس اگر فیصلہ کرنے کے حوالے سے امیر کا انداز تحکمانہ ہو تو باہم کام کرنے کے لیے ایک خوشگوار فضا پیدا نہیں ہو سکتی۔

• ساتھیوں سے مشاورت کی اہمیت کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ غزوۂ اُحد میں چند ساتھیوں سے نظم کی سنگین خلاف ورزی ہوئی۔ مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔

۷۰ ساتھی شہید اور متعدد زخمی ہوئے۔ خود نبی اکرم ﷺ کے دو دانت شہید ہوئے اور آپ ﷺ شدید مجروح ہوئے۔ اِس کے باوجود اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا:

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ (آل عمران : ۱۵۹)

''آپ اُنہیں معاف کیجیے اور اُن کے لیے اللہ سے بخشش طلب کیجیے اور اُن سے معاملات میں مشورہ کیجیے۔''

• نبی اکرم ﷺ ساتھیوں سے مشاورت کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((مَا رَأَيْتُ رَجُلاً أَكْثَرَ اِسْتِشَارَةً لِلرِّجَالِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)) (۱۰)

''میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ لوگوں سے مشورہ کرنے والا ہو۔''

آپ ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں بھی مشاورت کی اہمیت کو واضح فرمایا:

((إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَإِذَا كَانَ أُمَرَاءُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ إِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ ظَهْرِهَا)) (۱۱)

''جب تمہارے حکمران تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے کیے جاتے ہوں تو زمین کی پیٹھ تمہارے لیے اُس کے پیٹ سے بہتر ہوگی، لیکن جب تمہارے حکمران تم میں سے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند لوگ بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں (یعنی اصل فیصلہ اُن کے ہاتھ میں ہو) تو پھر زمین کا پیٹ تمہارے لیے اِس کی پیٹھ سے بہتر ہوگا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۵۹ نازل ہوئی جس میں نبی اکرم ﷺ کو مشورہ لینے کی تلقین فرمائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ غَنِيَّانِ عَنْهَا وَلٰكِنْ جَعَلَهَا رَحْمَةً لِّأُمَّتِيْ فَمَنْ شَاوَرَ مِنْهُمْ لَمْ يَعْدِمْ رُشْدًا وَمَنْ تَرَكَ الْمَشُوْرَةَ لَمْ يَعْدِمْ غَبًّا)) (۱۲)

''اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو مشورے کی حاجت نہیں، لیکن اللہ نے اسے میری اُمت

کے لیے رحمت بنایا ہے' پس اُن میں سے جو شخص مشورہ کرے گا وہ (بہتر کام کی) ہدایت سے محروم نہ رہے گا اور جو شخص مشورہ لینا چھوڑ دے گا وہ مشقت سے بچ نہ سکے گا۔''

◆ آیت زیر درس کے حوالے سے ﴿اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ میں اَمۡرُهُمۡ کے الفاظ قابل غور ہیں۔ اگر مسئلہ کا تعلق اَمۡرُاللّٰہ یعنی اللہ کے دیے گئے حکم سے ہو تو پھر کوئی مشاورت نہیں ہوگی اور اُس پر بلا چون و چرا عمل کیا جائے گا۔ ہاں اگر معاملہ باہمی ہے جس میں مختلف صورتیں (options) اختیار کرنے کی آزادی ہے تو اب فیصلہ مشاورت سے کیا جائے گا۔

◆ شورائیت اور جمہوریت میں ایک بڑا بنیادی فرق ہے۔ جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں لہٰذا جمہوریت ہر معاملہ میں لوگوں کی رائے لینے کا اصول دیتی ہے جبکہ شورائیت میں صرف باہمی معاملات میں لوگوں کی رائے لی جاتی ہے۔ جمہوریت میں عوامی حاکمیت کا تصور ہے لہٰذا عوام کی اکثریت کی آراء کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ شورائیت میں ہر ایسی رائے کو رد کر دیا جاتا ہے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔ پھر بقول اقبال: ؎

جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!

جبکہ شورائیت میں اہمیت ایسے افراد کی آراء کو دی جاتی ہے جو علم' تجربہ' معاملہ فہمی اور فیصلوں کے ممکنہ اثرات کا شعور رکھنے کے اعتبار سے بہتر محسوس ہوں۔

◆ مشاورت کے بعد فیصلہ کے حوالے سے سورۂ آل عمران آیت ۱۵۹ سے ایک واضح رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اِس آیت میں ارشاد ہوا:

﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ﴾

''آپ اُن سے معاملات میں مشورہ کیجیے۔ پھر جو فیصلہ آپ کر لیں تو اِس پر ڈٹ جایئے اور اللہ پر توکل کیجیے۔''

''عَزَمۡتَ'' کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ حتمی فیصلے کا اختیار امیر کو ہوگا۔ مشورہ ضرور کیا جائے گا لیکن مشورے کے بعد فیصلہ ووٹوں کی گنتی سے نہیں ہوگا بلکہ صاحبِ امر اپنی بصیرت سے فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا۔ ایک اسلامی جماعت اور تحریک کا نظم یہی ہوتا ہے۔

## اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے انفاق کرنا:

◆ اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا آٹھواں وصف ہے: اللہ کے دیے

ہوئے رزق میں سے انفاق کرنا۔ عام طور پر خیال ہے کہ لفظِ انفاق سے مراد صرف مال خرچ کرنا ہے لیکن سورۃ الحدید کی آیت ۷ میں یہ اصطلاح بڑے وسیع معنی میں استعمال ہوئی ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾

''اور خرچ کرو ہر اُس شے میں سے جس پر تمہیں عارضی اختیار دیا گیا ہے''۔

گویا انفاق سے مراد ہے اللہ کے عطا کردہ رزق کی ہر صورت یعنی اپنی جسمانی صلاحیتوں اور قوتوں' مال واسباب اور اولاد کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لگا دینا۔

◆ اِس آیت میں یہ وصف بیان ہوا کہ اللہ کے محبوب بندے اللہ کے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں ''کتنا'' لگایا جائے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اعلیٰ ترین درجہ سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۹ میں بیان ہوا:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلِ الْعَفْوَ ۭ﴾

''(اے نبی ﷺ!) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے جو بھی تمہاری ضرورت سے زائد ہو''

دین کی سربلندی کی جدوجہد اُسی وقت کامیاب ہوگی جب ہماری ایک قابلِ ذکر تعداد ایمان کے اِس درجہ پر پہنچ جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اُسوہ پر عمل کرتے ہوئے اپنا سب کچھ اللہ کے دین کے لیے وقف کر دے۔ ہاں زندگی کو برقرار رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ اللہ کی عطا کردہ ایک نعمت ہے اور اسے اِس لیے برقرار رکھنا ہے تاکہ اللہ کے دین کی اقامت کے لیے محنت اور جدوجہد کی جا سکے۔ لہٰذا کوشش یہ ہو کہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گزراوقات کے لیے صرف اتنا لگایا جائے کہ جس سے اُن کی بنیادی ضروریات پوری ہو جائیں۔ گویا زندگی minimum subsistence level پر گزارتے ہوئے باقی سب کچھ اللہ کی راہ میں لگا دیا جائے' بقول اقبال:

جو حرفِ قُلِ العَفو میں پوشیدہ تھی اب تک
اس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!

◆ اللہ کی راہ میں سب کچھ لگانا آسان ہو جائے گا اگر یہ حقیقت یاد رہے کہ ہر شے کا اصل مالک اللہ ہے۔ اُس نے ہمیں بطورِ امانت اور برائے امتحان کچھ چیزوں پر عارضی اختیار دیا ہے۔ اِن میں ہمارا جسم' توانائی' علم' ذہانت وفطانت' دُور بینی ودُور اندیشی' وقت' صحت'

قوتِ کار' عمر' خاص طور پر جوانی' مال و اسباب' گھر' سواری' اولاد وغیرہ سب شامل ہیں۔ روزِ قیامت سوال ہوگا کہ ہم نے اِن نعمتوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق اُس کی راہ میں لگایا یا نہیں؟ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ وَ عَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ وَمَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَ فِيْمَ اَنْفَقَهٗ وَ مَا ذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ؟ (۱۳)

''روزِ قیامت ابن آدم کے قدم اپنے رب کے سامنے سے ہل نہ سکیں گے جب تک اُس سے پانچ باتوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے: زندگی کے بارے میں کہ کہاں لگادی؟ جوانی کے بارے میں کہ کہاں کھپادی؟ مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور جو علم حاصل کیا اُس پر کتنا عمل کیا۔''

◆ ہمارے پاس جو کچھ ہے جب اللہ ہی کا عطا کردہ ہے تو اگر ہم یہ سب اللہ کے دین کے لیے لگادیں تو کوئی بڑی بات نہیں: ؎

جان دی' دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

مال و اسباب درحقیقت چلتی پھرتی دولت ہے۔ آج کسی کے پاس ہے اور کل کسی کے پاس۔ یہ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہو رہی ہے۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو جا رہی ہے۔ بالآخر یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے رہ جائے گا۔ کوئی باقی نہ ہوگا جو اِس پر دعویٰ کر سکے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((يَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ مَالِيْ مَالِيْ وَهَلْ لَّكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَالِكَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَيْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ)) (۱۴)

''انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال' حالانکہ اے انسان! تیرا مال (ایک تو وہ ہے) جو تو نے کھا کر ختم کر دیا' یا (دوسرا) پہن کر بوسیدہ کر دیا' یا (تیسرا) صدقہ کر کے (آخرت کے لیے) آگے بھیج دیا۔''

اللہ تعالیٰ دراصل ہمارا امتحان لے رہا ہے کہ ہم اُس کی عطا کردہ امانت کو اُس کی خوشنودی کے لیے لگاتے ہیں یا بچا بچا کر وارثوں یا کسی اور کے فائدہ کے لیے رکھ کر خود محروم رہ

جاتے ہیں۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے: ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اِسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

## سورۃ الشوریٰ' آیت ۳۹

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴾

''اور جب اُن پر زیادتی کی جاتی ہے تو بدلہ لیتے ہیں۔''

## زیادتی کا بدلہ لینا:

• اِس آیت میں اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا نواں وصف بیان کیا گیا۔ یہ وصف ہے زیادتی کا بدلہ لینا۔ بظاہر یہ وصف قرآنِ مجید کی اِس تعلیم سے متضاد محسوس ہوتا ہے جس میں کہا گیا کہ برائی کا جواب اچھائی سے دو۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ (حٰمٓ السجدہ)

''نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کا جواب اُس طور سے دو جو بہترین ہو' پھر تم دیکھو گے کہ جس شخص کی تمہارے ساتھ عداوت تھی وہ گویا جگری دوست بن گیا ہے۔''

قرآنِ حکیم کی مذکورہ بالا تعلیم کا تعلق دعوت کے مرحلہ سے ہے۔ دعوت کے مرحلے پر یہی مطلوب ہے کہ گالیوں کے جواب میں دعائیں دی جائیں اور پتھر کے جواب میں پھول پیش کیے جائیں۔ اِس مرحلہ پر بدلہ لینا دعوت کے راستے کی رکاوٹ بن جائے گا۔ لیکن اسلام کی یہ جامعیت اور قرآنِ مجید کا یہ حسنِ اعجاز ہے کہ اِس میں ہر سطح اور ہر مرحلے کے لیے ہدایات موجود ہیں۔ اقامتِ دین کے ہر مرحلہ کا تقاضا مختلف ہے۔ اقامتِ دین سے جو شے مطلوب ہے وہ قیامِ عدل ہے۔ قیامِ عدل کے لیے قانون پر عمل درآمد ضروری ہوتا ہے۔ قانون کا تقاضا اخلاق و روحانیت کے تقاضے سے مختلف ہوتا ہے۔ ظلم کرنے والے کو معاف کر دینا اخلاقی و روحانی اعتبار سے انسان کے لیے درجات کی ترقی کا باعث ہوتا ہے لیکن اجتماعی طور پر اِس سے ظلم کرنے والے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ وہ سزا نہ ملنے پر اور جری ہوتا ہے اور ظلم و زیادتی کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ لہٰذا اجتماعی سطح پر قیامِ عدل کا تقاضا ہے کہ ظلم کا بدلہ لیا جائے۔ ارشادِ

باری تعالیٰ ہے :

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ)

''اے ہوش مندو! تمہارے لیے بدلہ لینے میں بقا ہے تاکہ تم (ظلم وستم سے) بچ سکو!''

◆ اسلام دین کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے اور مجرموں کو سخت سزا دینے کا حکم اِسی لیے دیتا ہے تاکہ معاشرے میں امن وامان ہو اور ہر فرد کی جان، مال اور آبرو محفوظ رہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے افراد کو بھی رجم کروایا کہ جن کے بارے میں خود ہی فرمایا کہ اُنھوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اُسے مدینے کی پوری آبادی پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کی مغفرت ہو جائے۔ اُنہیں رجم اِس لیے کروایا تاکہ زنا کا سدباب ہو۔ اگر یہ سزا نافذ نہ کرتے تو زنا کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھتا۔ آپ ﷺ نے چوروں کے ہاتھ بھی کٹوائے اور رہزنی کرنے والوں کو اذیت ناک طریقہ سے موت کے گھاٹ اتارا تاکہ معاشرہ کو جرائم سے پاک کیا جائے۔ دعوت کے مرحلہ پر عفو ودرگزر اور اقامت کے مرحلے پر بدلہ اور انتقام تضادات نہیں بلکہ مختلف مراحل کے حکیمانہ تقاضے ہیں۔

◆ نوٹ کیجیے کہ معاف کرنے کا معاملہ کسی بھی ایسے شخص کے لیے ہو سکتا ہے جو اپنا ہو یا جس کے بارے میں توقع ہو کہ وہ اپنا بن جائے گا۔ لیکن واضح دشمن کو معاف کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ظلم وزیادتی کرنے والے پوری انسانیت کے دشمن ہیں۔ جب تک یہ احساس نہیں ہوگا کہ جو لوگ معاشرے میں ظلم ڈھا رہے ہیں وہی دشمن ہیں اور اُن سے بدلہ لینا ہے اُس وقت تک انسان کے اندر وہ جوش وخروش پیدا نہیں ہوگا کہ جس کے نتیجہ میں انقلاب آئے گا۔

## سورۃ الشوریٰ، آیت ۴۰

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ ''اور برائی کا بدلہ تو برائی ہے ویسی ہی''..... ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ ''تو جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے''..... ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''یقیناً اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

◆ اقامتِ دین کے مرحلہ کے حوالے سے قرآنِ حکیم کا اسلوب بے باک اور militant ہے۔ دعوت کے مرحلہ پر حکم ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دو۔ یہاں فرمایا گیا کہ ﴿جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ ''برائی کا بدلہ تو ویسی ہی برائی ہے''۔ یہاں ''مِثْلُها'' کے لفظ سے یہ بھی

اشارہ ہو گیا کہ جتنی زیادتی ہوئی ہے جواب میں اتنی ہی زیادتی کی جائے' اُس سے زائد نہیں۔ یہ نہ ہو کہ انتقام کے جوش میں آ کر ایک تھپڑ کے بدلے میں دس تھپڑ مار دیے جائیں۔ سورۃ النحل آیت ۱۲۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾﴾

''اور اگر تم بدلہ لو تو بالکل ویسا ہی بدلہ لو جیسا کہ تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے' لیکن اگر تم صبر کر لو تو یقیناً یہ بات صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔''

• ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ ''تو جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے''۔ گویا ایک بڑا لطیف اشارہ کر دیا گیا کہ معافی اُس صورت میں دی جائے اگر یہ نظر آ رہا ہو کہ اِس سے اصلاح ہو جائے گی۔ ایسی معافی نہ ہو جو شریروں کی ہمت افزائی کا ذریعہ بن جائے۔ ہاں یہ محسوس کیا جا رہا ہو کہ زیادتی کرنے والے پر واقعی ندامت طاری ہو چکی ہے اور اُسے اپنے کیے پر پشیمانی ہے۔ اگر اُسے معاف کر دیا جائے تو اُس کی اصلاح ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں معاف کرنے والے کے لیے بہت بڑے اجر کی نوید ہے۔

• ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾﴾ ''یقیناً اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا''۔ اگر معاف کرنے سے ظلم کی جڑ کٹ جاتی ہو تو ایسا کرنا بہتر ہے۔ البتہ اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ ظالموں کی حوصلہ افزائی ہو' شریر لوگ دنیا میں لوٹ مار اور زیادتی کرتے رہیں اور نیک لوگ کونوں کھدروں یا خانقاہوں میں بیٹھے رہیں۔ بقول اقبال: ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

## سورۃ الشوریٰ' آیت ۴۱

﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ﴾ ''اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں''..... ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾﴾ ''اُن پر کوئی ملامت نہیں۔''

• اِس آیت میں خبردار کیا گیا کہ ایسے شخص کو ملامت مت کرو جو ظلم و زیادتی کا بدلہ لیتا ہے۔ یہ نہ کہو کہ اُس نے معاف کرنے کا بہتر راستہ چھوڑ کر بدلہ لینے کا کم تر راستہ اختیار کیا

ہے۔ بدلہ لینا اُس کا حق ہے۔ سورۃ النساء (آیت ۱۴۸) میں تو یہاں تک فرمادیا:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝﴾

''اللہ کو کسی بری بات کا بلند آواز سے کہنا پسند نہیں ہے سوائے اُس کے جس پر ظلم ہوا ہو' اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

مظلوم اگر اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے درد سے کراہتے ہوئے چیخ و پکار کرتا ہے اور اُس کی زبان سے اگر کوئی نازیبا کلمہ نکل جاتا ہے تو اُسے معاف کر دیا جائے گا۔ عام حالات میں بری بات کا زبان سے نکالنا اللہ کو پسند نہیں ہے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو وہ مستثنیٰ ہے۔ بقول شاعر: ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید!

یعنی ؎

ڈرو مظلوم کی آہوں سے جب اٹھتی ہیں سینوں سے
قبولیت ہے کرتی خیر مقدم چرخ سے آ کر!

• جدید مغربی تصورات کے تحت مظلوم کا ساتھ چھوڑ کر ظلم کے لیے تمام ہمدردیوں کو یکجا کر دیا جاتا ہے۔ کسی شخص نے ظلم کیا' انسانوں کو قتل کیا' انسانوں پر زیادتی کی۔ اب سارا زور اِس پر ہوگا کہ مجرم ذہنی مریض ہے۔ ضرور اُس پر کوئی ایسے حالات آئے ہوں گے کہ وہ خود کو قابو میں نہ رکھ سکا اور انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ وہ ہماری ہمدردی کا محتاج ہے۔ مظلوموں کی دادرسی نہیں کی جائے گی بلکہ کوشش کی جائے گی کہ ظالم پر کہیں زیادتی نہ ہو جائے۔ اِس کے برعکس قرآن مجید ہمیں مظلوموں کی حمایت کا درس دیتا ہے۔

## سورۃ الشوریٰ' آیت ۴۲

﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ﴾ ''ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں'' ..... ﴿وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ﴾ ''اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں'' ..... ﴿اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ ''یہ ہیں وہ لوگ جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

• اِس آیت میں واضح کیا گیا کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے نزدیک

اصل مجرم وہ ہیں جو ظلم کر رہے ہیں' جو لوگوں کے حقوق پر دست درازی کرتے ہیں' جو سیاسی طور پر دوسروں کو اپنا محکوم بنا لیتے ہیں' معاشی طور پر دوسروں کو مفلوج کرتے ہیں۔ جنہوں نے معاشرتی طور پر ایک ہی گوشت پوست کے بنے ہوئے اور ایک آدم و حوا کی نسل سے پیدا ہونے والے انسانوں میں سے بعض کو بڑھیا اور بعض کو گھٹیا سمجھ رکھا ہے۔ سب سے بڑا ظلم اللہ کی زمین پر غیر اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنا اور تسلیم کرنا ہے۔ یہ زمین اللہ کی ہے اور وہی اس کا جائز حاکم ہے۔ جو اُس حاکم حقیقی کے خلاف بغاوت کر رہا ہے اور ناحق سرکشی کر رہا ہے اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا؟ چاہے اُس نے کچھ خیراتی ادارے بھی قائم کر دیے ہوں یا پوری ویلفیئر سٹیٹ بنائے بیٹھا ہو۔ وہ اللہ کا حق غصب کیے ہوئے ہے اور اللہ کے قانون کے بجائے اپنا قانون چلا رہا ہے۔ اِن ظالموں کے لیے آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے اور دنیا میں بھی۔ تم اپنے غصے اور ملامت کا ہدف اِن لوگوں کو بناؤ' نہ کہ اُن لوگوں کو جو مظلوم ہیں اور ظلم کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

• اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو اپنے اندر ظلم و ستم کے خلاف غیظ و غضب اور نفرت کو زیادہ سے زیادہ بڑھاتے رہنا چاہیے۔ اُن کے لیے یہ ظلم و ستم جس شکل میں بھی ہے ہوا ایک چیلنج ہے۔ اللہ کے دین سے محبت اور غیر اللہ کی حاکمیت سے نفرت کا تقاضا ہے کہ ظلم و استحصال کے خلاف مال و جان سے ہر ممکن جدوجہد کی جائے۔ دوسروں کے دلوں میں بھی محبت و نفرت کے یہ جذبات پروان چڑھائے جائیں تاکہ اتنی افرادی قوت میسر آ جائے کہ ظلم و استحصال کے خاتمہ کے لیے کوئی عملی اقدام کیا جا سکے۔

## سورۃ الشوریٰ' آیت ۴۳

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ﴾ ''اور جو کوئی صبر کرے''..... ﴿وَغَفَرَ﴾ 'اور معاف کر دیا کرے''..... ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ''تو یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔

اِس آیت میں ایک بار پھر صبر کرنے اور معاف کرنے کی ترغیب دی گئی کیونکہ یہ سورۂ مبارکہ مکی دور میں نازل ہوئی جہاں ابھی دعوت کا مرحلہ جاری تھا۔ دعوت کے مرحلہ میں لوگوں کے دل جیتنے اور اُن پر حجت پوری کرنے کے لیے عفو و درگزر کا طرزِ عمل ہی مفید تھا۔ البتہ اِس سورت میں اقامتِ دین کے مرحلہ کے لیے رہنمائی پیشگی ہدایت طور پر دی گئی کیونکہ یہ مرحلہ مدنی دور میں شروع ہوا تھا۔ (جاری ہے)

## حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب ما جاء فی صفة الجنة وانها مخلوقة۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها۔

(۲) سنن الترمذی' کتاب صفة القیامة والرقائق والورع۔وسنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب ذکر الموت والاستعداد له۔

(۳) سنن الترمذی' کتاب الدعوات' باب ما یقول اذا خرج مسافرا۔

(٤) سنن الترمذی' کتاب الزهد' باب ما جاء فی زهادة الدنیا۔

(٥) رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ بحواله مشکاة المصابیح' کتاب الآداب' باب الامر بالمعروف۔

(٦) مسند احمد' مسند المکثرین' باقی المسند السابق' ح:١٣٣٠٦۔

(۷) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب حفظ اللسان.....

(۸) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب علامة المنافق۔وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان خصال المنافق۔

(۹) صحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین وقصرها' باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل.....

(۱۰) رواه فی شرح السنة۔

(۱۱) سنن الترمذی' کتاب الفتن' باب ما جاء فی النهی عن سب الریاح۔

(۱۲) آداب الصحبة لابی عبدالرحمٰن السلمی۔

(۱۳) سنن الترمذی' کتاب صفة القیامة والرقاق والورع' باب ماجاء فی شأن الحساب والقصاص۔

(۱٤) صحیح مسلم' کتاب الزهد والرقائق۔

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا ایک جامع خطاب

بقیہ: دورۂ ترجمہ قرآن

﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ ''تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔''

یعنی ہم نے انہیں تورات اس لیے دی تھی کہ اس کے احکامات کو نافذ کیا جائے۔ اسی سورت کے ساتویں رکوع (آیات ۴۴ تا ۵۰) میں اس کا مفصل ذکر ہم پڑھ آئے ہیں کہ کس طرح انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے فیصلے تورات کے احکامات کے مطابق کرو۔ اس سے اگلا مرحلہ اس پورے نظام کے نفاذ کا تھا جو تورات نے دیا تھا۔ اسی طرح ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم نے قرآن کے نظام کو قائم کرنا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے' کہ اگر انہوں نے اللہ کا وہ نظام قائم کیا ہوتا تو ان کے اوپر سے بھی ان کے رب کی طرف سے نعمتوں کی بارش ہوتی اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دھارے پھوٹتے۔

﴿مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ﴾ ''ان میں کچھ لوگ ہیں جو درمیانی (یعنی سیدھی) راہ پر ہیں۔''

﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۶﴾ ''لیکن ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بہت بُری حرکتیں کر رہے ہیں۔''

ان کا عمل اور رویہ نہایت غلط ہے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 40 روپے  اشاعت عام: 25 روپے

# عقیدۂ توحید کے انسانی زندگی پر اثرات

فاروق حمید☆

توحید یعنی اللہ ربّ العالمین کو دل و جان اور عمل سے احد اور یکتا و تنہا ماننا' ایمان کا جوہر اور اسلام کی محکم بنیاد ہے' اس کے بغیر کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں قبول نہیں۔ عقیدۂ توحید صرف نظریاتی تصور نہیں بلکہ عملی حقیقت ہے اور یہ صرف تھیوری (theory) کے طور پر بیان نہیں ہوا ہے بلکہ زندگیوں میں عملی طور پر (practically) برتنے کے لیے ہے۔

عقیدۂ توحید انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے جس سے انسان کے فکر و عمل' شخصیت اور بحیثیت مجموعی معاشرے میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں' جس کا مختصر جائزہ پیش ہے۔

## ۱) شرفِ انسانیت

عقیدۂ توحید سے انسان اپنے مقامِ شرف و فضیلت کو پہچان لیتا ہے جو اُسے عزتِ نفس عطا کرتا ہے اور اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے بڑی صرف ایک اللہ کی ذات ہے' باقی ساری مخلوقات سے وہ اعلیٰ اور اشرف ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ﴾ (بنی اسراء یل: ۷۰) اور ساری کائنات اُس کی خدمت کے لیے ہے اور وہ مخدوم ہے:

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ (لقمٰن: ۲۰)

''کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔''

اگر انسان کائنات میں اپنے سے کم تر مرتبہ والی کسی بھی چیز کے آگے جھک جائے تو اپنا شرفِ انسانیت کھو دیتا ہے' کیونکہ جو چیز اس کی خدمت کے لیے بنائی گئی اُس کے آگے جھکنا تو

☆اسسٹنٹ پروفیسر فیڈرل گورنمنٹ کالج بہاولپور

اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرتا ہے' جبکہ اپنے سے بڑے مرتبے والے کے آگے جھکنے سے ہی انسان میں خودداری اور اپنے مقام ومرتبے کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔اسی لیے ایک مسلمان کائنات کی کسی بھی چیز کے سامنے نہیں جھکتا بلکہ اپنے اصل آقا ومالک کے دَر کا ہی ہو کر رہتا ہے' اِس طرح وہ شرفِ انسانیت کی حفاظت کر کے معزز ومحترم ہو جاتا ہے اور صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کے سامنے جھکتا ہے۔عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آقا ومالک ایک ہی ہو' کیونکہ ایک کو راضی کرنا بہت آسان ہے۔

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الزمر)

''اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کی ملکیت میں بہت سے (کج خلق آقا) شریک ہیں جو اُسے اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور دوسرا شخص پورے کا پورا ایک آقا کا غلام ہے۔کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے' مگر اکثر لوگ نادانی میں مبتلا ہیں۔''

بقول اقبال ۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (۱)

## ۲) تقویٰ

عقیدۂ توحید کا حامل انسان متقی و پرہیزگار ہو جاتا ہے' کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ اللہ ہر چھپی اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے' حتیٰ کہ دل ودماغ کے وسوسوں اور خیالات تک کو جانتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (قٓ)

''ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اس کے دل میں آنے والے وسوسوں تک کو جانتے ہیں' اور ہم اُس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

انسان عقیدۂ توحید کی بدولت یہ جان لیتا ہے کہ وہ گناہ کر کے دنیا سے تو چھپ سکتا ہے لیکن اللہ سے نہیں چھپ سکتا' بفحوائے قرآنی:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾﴾ (المؤمنون)

''یقیناً وہ لوگ جو اپنے ربّ کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں' جو اپنے ربّ کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں' جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے' اور وہ جو کچھ بھی دیتے ہیں تو ان کے دل (خوف سے) کانپتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔''

چنانچہ وہ خلوت وجلوت کہیں بھی گناہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا اور ہمیشہ نیک اعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہی ایمان اعمال صالحہ اور معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنتا ہے۔

## ۳) وسعتِ نظر

عقیدۂ توحید کا حامل انسان کبھی تنگ نظر و تنگ دل نہیں ہوتا' کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ساری کائنات اللہ کی مخلوق اور محکوم ہے اور تنہا وہی پوری کائنات کا خالق' مالک اور حاکم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳﴾﴾ (الحدید)

''آسمانوں اور زمین کی ملکیت اُسی کی ہے' وہ زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے' اور ہر چیز اُس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی اول بھی ہے اور آخر بھی' وہی ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی' اور ہر چیز اُس کے علم میں ہے۔''

توحید کا حامل انسان اپنی طرح کائنات کی ہر چیز اور ہر شخص کو اللہ کی رعیت سمجھتا ہے۔ اس لیے اس کی ہمدردی' محبت' خدمت' خیر خواہی اور رواداری سب کے لیے عام ہوتی ہے۔ اللہ کی عظمت و بادشاہی کی طرح اُس کی نظر بھی وسیع اور غیر محدود ہو جاتی ہے اور وہ مخلوقِ خدا کی بہتری کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہے۔ ایسے ہی انسانوں کی آج کل دنیا کو شدید ضرورت ہے۔

## ۴) انکساری و عاجزی

عقیدۂ توحید سے انسان میں انکساری اور تواضع جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں' کیونکہ وہ

سمجھتا ہے کہ ساری کی ساری عظمت و بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے :﴿فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (النساء) ''عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے''۔﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (البقرة) ''بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے''۔ ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾(الجاثیة:۳۷) ''زمین وآسمان میں بڑائی اُسی کے لیے ہے''۔اسی طرح انسان اللہ کے سامنے بے بس ہے کہ جو کچھ دیا ہوا ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اس بات پر بھی اس کا ایمان ہے کہ جو ذات دینے پر قادر ہے وہ چھین بھی سکتی ہے:﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾(الانعام) ''وہ اپنے بندوں پر مکمل اختیارات رکھتا ہے اور وہ دانا اور باخبر ہے''۔حتیٰ کہ یہ سانس کی ڈور بھی اس کے حکم سے چل رہی ہے۔ان باتوں کے پیش نظر مؤمن کے دل میں فخر وغرور اور تکبر و بڑائی کا شائبہ تک پیدا نہیں ہوتا اور وہ منکسر المزاج اور عاجزی وانکساری کا پیکر بن جاتا ہے۔

## ۵) شجاعت و بہادری

عقیدۂ توحید مؤمن کو بہادر بنا دیتا ہے' کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿..... ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ (فاطر)

''.....وہی اللہ تمہارا رب ہے' بادشاہی اُسی کی ہے۔اور اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔''

اُسی کو سب پر قدرت واختیار حاصل ہے' جان و مال اور زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ﴾(قٓ) ''یقیناً ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی سب کو پلٹنا ہے''۔لہٰذا مؤحد اُسی سے ڈرتا ہے اور اُسی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔اس عقیدے سے مؤمن کے دل سے دوسروں کا خوف نکل جاتا ہے۔انسان کو سب سے بڑا ڈر یہی ہوتا ہے کہ وہ مر جائے گا' لیکن عقیدۂ توحید رکھنے کی بنا پر جسے موت نہ ڈرا سکے اسے کائنات کی کوئی دوسری طاقت کیسے ڈرا سکتی ہے! اس لئے وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرانا معمولی بات سمجھتا ہے۔بدر واُحد ہو یا خندق وتبوک وہ ہر جگہ ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرة) کی تصویر بن جاتا ہے۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوہ اُحد میں کفار کی طرف بڑھتے جاتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں: ابوعمر کہاں جا رہے ہو؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مجھے اُحد کے پار سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے''۔ اُس کے بعد آگے بڑھتے ہیں اور لڑتے لڑتے جان جان آفرین کے سپرد کر دیتے ہیں۔(۲)

تو کیا دنیا کے طاغوت ایسے مجاہدوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں جن کے دل توحید سے لبریز ہوں اور جو موت کو اپنے رب سے ملاقات کا ذریعہ سمجھتے ہوں؟

## ۶) رجائیت و اُمید

عقیدۂ توحید رکھنے والا انسان کبھی رحمت الٰہی سے مایوس اور ناامید نہیں ہوتا' کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ کائنات کے سارے خزانوں کا مالک اللہ ہے' جس کا فضل و کرم بے پایاں ہے' وہ رحیم و کریم ہے' وہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے' اس لئے وہ مایوس کن حالات میں بھی اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا' اُسی کا سہارا ڈھونڈتا ہے' اُس سے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ اس سے اس کو عزم و حوصلہ ملتا ہے اور وہ ہر مصیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (الزمر:۵۳) ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔''

عقیدۂ توحید کے حامل انسانوں کے پاس تو اللہ کی بے پایاں رحمت موجود ہے جبکہ کفار و مشرکین کا کوئی رحیم و کریم آقا نہیں۔ اس لیے جن کا عقیدۂ توحید کمزور ہے یا سرے سے ہے ہی نہیں انہی کے ہاں مایوسی کی حالت میں خودکشیاں بھی ہوتی ہیں۔ قربان جایئے اللہ عزوجل کے اس فرمان پر' جو ایک سورۃ میں ایک لفظ کے فرق کے ساتھ دو مرتبہ آیا ہے: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام:۵۴) ''تمہارے ربّ نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے''۔ ﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام:۱۲) ''اُس نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے''۔ اور اس فقرے میں تو امید ہی امید پائی جاتی ہے: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف:۱۵۶) ''میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔''

صرف قرآن کریم میں نہیں بلکہ بائبل میں بھی تذکرہ موجود ہے کہ توحید پر قائم ہونے سے اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی(۳)۔ اس وسیع رحمت کے سائے میں آتے ہی مؤمن کی زبان پر یہ ترانہ جاری ہوتا ہے:۔

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے!

## ۷) اطمینانِ قلب

توحید کا حامل انسان کبھی مضطرب و شکستہ دل نہیں ہوتا بلکہ اُسے مکمل اطمینانِ قلب اور روحانی تسکین حاصل ہوتی ہے' اس لیے کہ اس کا تعلق اُس ذاتِ واحد سے ہوتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں انسانی دل ہوتا ہے۔ دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے[٤] اور اُسی کی طرف سے یہ اعلان ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾﴾ (الرعد)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔''

آج کل کے حالات میں لوگوں کی زبانوں پر جو واویلا برپا ہے کہ ذہنی و اعصابی دباؤ depression/ tension سے دل کی دنیا زیروزبر ہو رہی ہے' حالانکہ عیش و آرام کے تمام تر سامان موجود ہیں' تو ایسا کیوں ہے؟ اُس کی وجہ یہی ہے کہ لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہو کر دنیا کے پیچھے دوڑ پڑے ہیں۔ ظاہر ہے نتیجہ بھی اُسی کے مطابق نکلے گا:

﴿وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾﴾ (الجن)

''جو اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے گا اس کا رب اُسے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔''

دل سوز سے خالی ہے' نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

اگر اس عذاب سے نجات پانا ہے تو اللہ کے ذکر سے دلوں کو آباد کرنا پڑے گا: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠﴾﴾ (الجمعة) ''اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پالو''۔ پھر ایسا اطمینانِ کامل نصیب ہوگا جو مطلوب و مقصودِ مؤمن ہے اور جس کی طرف سورۃ الفجر کی درج ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾﴾

''اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف چل کہ تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔''

## ۸) قناعت و بے نیازی

مؤمن یہ سمجھتا ہے کہ رزق کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ذلت و عزت اور حکومت و طاقت

بھی اُسی کے اختیار میں ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (الذّٰریٰت) ''اللہ تو خود ہی رزاق ہے' بڑی قوت والا اور زبردست''۔ توحید کا ماننے والا نہ حرص و ہوس کا بندہ بنتا ہے اور نہ ہی حسد و بغض کے جذبات اُس پر غالب آسکتے ہیں' اس لیے وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہو کر ایک اللہ کا ہو رہتا ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۚ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (آل عمران)

''کہو: خدایا' ملک کے مالک' تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے' جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے' بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں' بے جان میں سے جان دار کو نکالتا ہے اور جان دار میں سے بے جان کو' اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

جب انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ رزق' عزت و ذلت اور زندگی و موت ہے ہی اللہ کے ہاتھ میں تو کیوں نہ اُسی پر بھروسہ کیا جائے: ﴿وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ﴾ (ابراھیم:۱۲) ''ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ کریں'' —— ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ خواہ مرد ہو یا عورت ہم اس کو پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿..... لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝﴾ (آل عمران) ''..... میں لازماً ان سے ان کی برائیوں کو دور کر دوں گا اور انہیں داخل کروں گا ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ بدلہ ہے اللہ کی طرف سے اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔'' عقیدۂ توحید کی بدولت انسان قناعت کرتا ہے' اُس کی عطا پر راضی و خوش رہتا ہے' صابر و قانع ہوتا ہے' ایسے افراد ہی معاشرے کے لیے بہت مفید اور کارآمد ہوتے ہیں۔

# توحید کے اجتماعی اثرات

درج بالا خصوصیات کے حامل انسانوں سے جب ایک معاشرہ تشکیل پائے گا تو یقیناً بحیثیت مجموعی وہ معاشرہ وسیع النظر بھی ہوگا' معزز و مکرم بھی اور عادل و منصف بھی۔ اُس میں رواداری' پابندیٔ قانون اور احترام انسانیت بھی ہوگا۔ اس حوالے سے جو اجتماعی ثمرات ہوں گے ان میں سے چند ایک کا تذکرہ مفید ہوگا۔

**۱) عدل**: عدل کا مطلب ہے ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک وہ مقام دینا جس کی وہ مستحق ہے۔ یہ بڑا ہمہ گیر اور وسیع اصول ہے جس نے پوری کائنات کا احاطہ کیا ہوا ہے کہ اللہ خود عادل ہے اور یہ کائنات عدل پر قائم ہے' اسی لیے کسی معاشرے کی صحت مندی' خوشحالی اور اعتدال' عدل پر ہی منحصر ہے۔ جب ہر شخص بلکہ کائنات کی ہر چیز کو اُس کا صحیح مقام اور جائز حق ملتا چلا جائے گا تو کسی کو کسی کے خلاف شکایت اور حق تلفی کا الزام لگانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ پھر محبت' قربانی' ایثار' خدمت خلق' ہمدردی اور رواداری کی مثالیں قائم ہوں گی اور ایک بہترین مثالی معاشرہ قائم ہوگا' جو ظلم و زیادتی سے پاک ہوگا۔ توحید کے حامل انسانوں کو یہ حکم ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (النحل: ۹۰)

''اللہ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

یہ دونوں چیزیں (عدل و احسان) ایسی ہیں کہ جب ان پر عمل کیا جاتا ہے تو معاشرے میں ایسا توازن اور اعتدال قائم ہو جاتا ہے کہ جس سے محبت و اخلاص کے چشمے پھوٹتے ہیں اور ہر شخص اپنے بھائی کے فائدے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اسلامی تہذیب کے نمائندے صرف اپنی ملّت کے افراد کے لیے ہی نہیں بلکہ غیر اقوام کے لیے بھی عدل کرنے کے پابند ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۭ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (المائدۃ)

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے راستی پر قائم رہنے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو' اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ' بلکہ عدل کرو' کیونکہ عدل تقویٰ سے قریب تر ہے' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' یقیناً جو کچھ تم کرتے

ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔"

۲) **مساوات** : دنیا کے اندر فسادات اور بگاڑ کا ایک بڑا سبب عدمِ مساوات اور طبقاتی تقسیم ہے۔ رنگ و نسل، علاقہ و قومیت اور لسانیت کے اختلافات اور امتیازات نے دنیا کو بڑی بڑی جنگوں میں مبتلا کیا ہے۔ تعصبات کے یہ بُت انسان سے یہ احساس ہی چھین لیتے ہیں کہ تمام انسان ایک آدم کی اولاد ہیں اور بحیثیت انسان تمام لوگوں کے حقوق برابر ہیں۔

عقیدۂ توحید ہی سے وحدتِ آدم اور مساوات پیدا ہوتی ہے اور قوموں میں اتحاد و اشتراک وجود میں آتا ہے، کیونکہ کائنات میں صرف عقیدۂ توحید ہی سے اُن تعصبات کی بیخ کنی ہو سکتی ہے جو انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے نفرت و دشمنی کی بنیاد بنتے ہیں۔ ع

تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے[۵]

اس نفرت و دشمنی کو نبی کریم ﷺ نے اپنے اِن سنہری الفاظ سے ہمیشہ کے لیے دفن کر کے انسانیت پر احسانِ عظیم کیا ہے:

"کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر، کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور اللہ کے نزدیک عزّت والا وہ ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔" (۶)

یہ صرف زبانی فلسفہ نہیں ہے بلکہ عملی طور پر اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔ نماز میں دن میں پانچ مرتبہ ہر طبقے اور مزاج کے لوگ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر مساوات کا باقاعدہ عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے (۷)

جب ایک اللہ، ایک قرآن اور ایک رہنما ہے تو یہ تسلیم کرنے والے سارے انسان بھی ایک ہی ہیں۔ یہ عقیدہ جتنا مضبوط ہوگا انسانیت کو اتنا ہی زیادہ آرام و سکون ملے گا۔

۳) **اخوت**: عقیدۂ توحید ہی اخوت کی بنیاد ہے اور یہ صرف مسلمانوں کی شانِ امتیاز ہے کہ وہ رنگ و نسل، علاقہ و قومیت یا رسم و رواج اور بود و باش کو حقیقی رشتۂ اشتراک نہیں بناتے، بلکہ توحید پر ایمان لانے سے ہی وہ سارے اختلافات بالائے طاق رکھتے ہوئے آپس میں بھائی بھائی

بن جاتے ہیں اور آپس میں ایسی محبت والفت رکھتے ہیں جس کی مثال اسلامی تہذیب کے علاوہ کسی اور تہذیب میں نہیں ملتی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران:۱۰۳)

''اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اُس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔''

اہل توحید کا نظریہ Motto ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰)

''مؤمن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔''

ایسا اصول اور نظریہ آپ کو کہیں اور نظر آتا ہے جو مسلمانوں کو ایک ایسی عالمگیر برادری بنا دیتا ہے جس کا عملی مظاہرہ ہر سال حج کے موقعہ پر ہوتا ہے؟ جہاں دنیا کے ہر گوشے سے لوگ ایک ہی لباس میں ایک ہی مقصد حیات کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں گویا ایک ہی تسبیح کے دانے اور ایک ہی گلدستے کے پھول ہیں۔

چشم فلک نے تاریخ انسانی میں ''مواخاتِ مدینہ'' کی صورت میں پہلی بار ایک حیران کن منظر دیکھا کہ جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آپس میں بھائی بھائی بن گئے' بقول سید سلیمان منصور پوری:

''نبی کریم ﷺ کے فیضانِ صحبت سے اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اخوت قائم ہوئی وہ اپنے تقدس میں ایسی برتر واعلیٰ ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں تلاش کرنا عبث ہے۔ زمین وآسمان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔''(۸)

نبی اکرم ﷺ کے فرامینِ اقدس نے اخوت کی اہمیت کو اس قدر بڑھا دیا ہے کہ اُس کے بغیر اُمتِ مسلمہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

۱) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے جیسا کہ ایک جسم ہوتا ہے' اگر جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کو سارا جسم محسوس کرتا ہے۔(۹)

۲) مؤمن ایک دوسرے کے لیے ایک دیوار کی اینٹوں کی مانند ہوتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے سے تقویت پاتا ہے۔(۱۰)

۳) ہر مسلمان کی دوسرے مسلمان پر جان مال اور عزت وآبرو حرام ہے۔(۱۱)

**٤)امن عالم** : عالم انسانیت میں سچا امن وسکون توحید ہی سے قائم ہوسکتا ہے' کیونکہ دین اسلام ایک قانونِ زندگی ہے جو انسان کو بحیثیت انسان خطاب کرتا ہے اور ایک ایسا نظام زندگی عطا کرتا ہے جس میں تمام انسانوں کے حقوق برابر ہوتے ہیں' کوئی شخص کسی کا محکوم نہیں ہوتا۔ دنیا میں فساد اُس وقت برپا ہوتا ہے جب طاقتور قومیں ''اَنَا وَلَا غَیْرِی'' کا نعرہ لگا کر کمزور قوموں پر چڑھ دوڑتی ہیں' کیونکہ انسان کتنی ہی غیر جانبداری کا مظاہرہ کرے جب وہ قانون بنائے گا تو اُس میں کوئی نہ کوئی نقص اور غیر پائیداری ضرور ہوگی۔ تنظیم اقوام متحدہ کی مثال لے لیجیے کہ دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے بنی تھی مگر بڑی طاقتوں کی غلام بن کر کمزور قوموں پر پابندیاں لگانے کے لیے ہی رہ گئی ہے۔

دنیا میں حقیقی امن واستحکام اُسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب دنیا کی قومیں توحید پر ایمان لاتے ہوئے اللہ کی باز پرس اور اس کی جزا وسزا کے عقیدے کے ساتھ زندگی گزاریں تو کوئی قوم کسی قوم کے ساتھ زیادتی' ظلم اور ناانصافی نہ کرے گی اور دنیا میں سچے امن وانصاف کی مستحکم بنیاد قائم ہوجائے گی۔

اللہ واحد جب ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ توحید ہی امن کی ضمانت ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کے بعد تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی:

((اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُقِيْمُوْنَ الْحَدَّ عَلَى الْوَضِيْعِ وَيَتْرُكُوْنَ الشَّرِيْفَ' وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ فَعَلَتْ ذٰلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))(١٢)

''تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ کمزور کو سزا دیتے تھے اور معزز و باحیثیت کو چھوڑ دیتے۔ قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ (بنت محمد ﷺ) بھی یہ جرم (چوری) کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

ایسے توحید کے حامل انسان جو اپنی اولاد اور اپنے آپ کو سزا دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں وہی دنیا کو امن مہیا کرسکتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں اپنے ہی بیٹے کو سزا دی جس کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ (بیٹا) فوت ہوگیا۔ سید قطب شہیدؒ فرماتے ہیں:

''اسلام ہمہ گیر انسانی عدلِ اجتماعی کی وہ بلند چوٹی رہا ہے جس تک یورپین تہذیب نہ

پہنچی ہے نہ پہنچ سکے گی' کیونکہ یہ جامد مادہ کی تہذیب ہے جو قتل و غارت گری' خوں ریزی اور زبردستی پر مبنی ہے۔'' (۱۳)

اسلام بلاشبہ دین توحید ہے کیونکہ وہ کائنات کی ساری قوتوں کے درمیان وحدت و یکجہتی کا قائل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمان کی تعریف (defination) ہی یہ بتائی ہے :

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ))(۱٤)

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

نیز فرمایا: ((وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ))(۱۵)

''اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے لوگوں کو اپنی جانوں اور مالوں کا خطرہ نہ ہو۔''

مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ سلامتی اور امن کے پیروکار اور علمبردار صرف حاملینِ توحید ہی ہیں۔

## حوالہ جات


(۱) کلیات اقبال' ص ٤۹۹۔ (۲) صحیح بخاری' ج۲' ص ۵۷۹۔

(۳) بائبل احبار باب ۲٦ آیت ۱ تا ۲٦ 'استثنا باب ۲۸ آیت ۱ تا ۱٤ 'پاکستان بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور ۱۹۹۳ء۔

(٤) سنن الترمذی' ابواب القدر' باب مَاجَاء اِنَّ القلوب بَين اصبعی الرَّحمٰن۔

(۵) کلیات اقبال' ص ۳۲۵۔

(٦) مسند احمد' ح۲۲۹۷۸۔ وشعب الایمان للبیهقی ۱۸۲۰/٤۔ راوی : جابر بن عبداللہ انصاری ﷺ۔

(۷) کلیات اقبال' ص۱٦۵۔

(۸) رحمت للعالمینؐ از قاضی سلیمان سلمان منصور پوری' ج۳' ص ۳٦۲۔

(۹) صحیح البخاری و صحیح مسلم۔

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب الادب' وسنن الترمذی' ابواب البر۔

(۱۱) صحیح مسلم' کتاب البر' وسنن الترمذی' ابواب البر۔

(۱۲) صحیح البخاری' کتاب الحدود' باب اقامة الحدود علی الشریف والوضیع۔

(۱۳) اسلام میں عدل اجتماعی از سید قطب شہید' ص ٤۲۵۔

(۱٤) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان تفاضل الاسلام وای اموره افضل۔

(۱۵) سنن الترمذی' کتاب الایمان' باب ما جاء فی ان المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ وسنن النسائی' کتاب الایمان وشرائعه' باب صفة المؤمن۔

# ڈاکٹر اسرار احمد

## غفر اللّٰہ لہ وارحمہ

## سے پہلی اور آخری ملاقات

ڈاکٹر زاہد اشرف ☆

یقیناً یہ ان سے آخری ملاقات تھی' لیکن پہلی ہرگز نہیں تھی۔ اس کے باوجود میں اس ملاقات کو پہلی اور آخری قرار دیتا ہوں' اس لیے کہ یہی ملاقات حقیقی معنوں میں ملاقات تھی۔ اس سے قبل کی ملاقاتیں اتنی تفصیلی نہ تھیں' جن میں محدود شرکاء کی موجودگی میں' سامنے بیٹھے ہوئے براہِ راست مخاطبت کے انداز میں ان کے ارشادات سننے اور پھر بعض حوالوں سے اپنی بات بھی کہنے کا موقعہ میسّر آیا ہو۔ اس ملاقات سے قبل کی دو ملاقاتیں قرطاسِ ذہن پر آج بھی نقش ہیں' ایک قدرے مختصر اور دوسری قدرے تفصیلی۔ پہلے قدرے مختصر ملاقات کا تذکرہ جو زمانی اعتبار سے بعد میں ہوئی' اغلباً ۲۰۰۰ء میں۔

جناب ڈاکٹر اسرار احمد علیہ الرحمہ والغفران' تب طارق اکیڈمی فیصل آباد کی تقریب افتتاح کے موقعہ پر تشریف لائے تھے۔ طارق اکیڈمی فیصل آباد کا معروف اشاعتی ادارہ ہے' اس کے بانی و مالک جناب محمد سرور طارق نے جدید و قدیم علمی و ادبی کتب' نہایت سلیقے کے ساتھ' خوبصورت انداز میں زیورِ طبع سے آراستہ کی ہیں۔ ان کی شبانہ روز جدّوجہد سے طارق اکیڈمی نے اشاعتی میدان میں اپنا مقام بنایا ہے۔ جناب طارق سرور نے متذکرہ بالا تقریب میں دو عظیم شخصیات کو مدعو کیا تھا' ڈاکٹر اسرار احمد اور پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہما اللہ تعالیٰ۔ ان دونوں حضراتِ گرامی کے خطاب' خطابت کی دل آویزی اور حسن کا مرقع تھے۔ ان میں جلال بھی ہوتا تھا اور جمال بھی۔ ان میں صوت و آہنگ کا زیروبم بھی تھا اور ولولۂ تازہ بھی۔ ان میں

☆ مدیر اعلیٰ **المنبر** فیصل آباد

نظریاتی و اعتقادی رسوخ بھی تھا اور معلومات کا گراں قدر ذخیرہ بھی۔ ان دونوں شخصیات نے یقینی طور پر مجمع کو مسحور کر دیا تھا۔ تقریب کے بعد ان دونوں حضرات گرامی سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ تعالیٰ سے تو نیاز مندی کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری تھا' اس لیے ان سے اپنے آپ کو متعارف کروانے کی ضرورت نہ تھی' البتہ ڈاکٹر اسرار احمد غفر اللہ لہ سے قبل ازیں ملاقات کے باوجود زیادہ تعارف نہیں تھا' اس لیے ان سے مصافحہ کرتے ہوئے ابا جان' مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف تغمدہ اللہ برحمتہ کی فرزندگی کا ذکر کرنا پڑا۔ بہر حال یہ ایک مختصر سی ملاقات تھی۔

ڈاکٹر اسرار احمد ؒ سے قدرے تفصیلی ملاقات لاہور میں ہوئی۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ ہم کچھ دوستوں نے مل کر ''دائرۃ الفکر'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی۔ اس کا بنیادی ہدف یہ تھا کہ اسلام کی سربلندی اور عالم اسلام بالخصوص پاکستان کے استحکام و ترقی کے لیے علمی و فکری اور تحقیقی کام کیا جائے۔ معروف علمی و ادبی اور قومی و ملی شخصیت جناب پروفیسر مرزا محمد منور ؒ سے ہم نے اس تنظیم کا صدر بننے کی استدعا کی جو انہوں نے بکمالِ شفقت و مہربانی قبول فرمائی۔ اس فورم سے ہم نے لاہور اور فیصل آباد میں کئی ایک وقیع پروگرام منعقد کیے۔ ایسا ہی ایک پروگرام فلیٹیز ہوٹل لاہور میں انعقاد پذیر ہوا۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد ؒ اس سیمینار کے واحد مقرر تھے۔ انہوں نے ''اسلام کا سیاسی نظام'' کے موضوع پر تفصیلی خطاب فرمایا۔ مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ میں بحیثیت سیکرٹری دائرۃ الفکر اپنے ابتدائی کلمات میں تنظیم کے تعارف کے ساتھ ساتھ موضوع کی مناسبت سے چند باتیں کہوں۔ جب یہ سیمینار منعقد ہوا تو ان دنوں قومی سطح پر زیر بحث موضوعات میں جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے آخری دور میں تیار کردہ شریعت آرڈیننس بھی شامل تھا۔ اس پر بڑی تفصیلی بحثیں ہو رہی تھیں۔ حمایت اور مخالفت میں دلائل پیش کیے جا رہے تھے۔ اس آرڈیننس میں قرآن و سنت کو سپریم لاء بھی قرار دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب ؒ خود قرآن و سنت کی بالادستی کے سب سے بڑے علمبردار تھے' لیکن بعض نکات کے باعث وہ شریعت آرڈیننس کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اختلافِ رائے کے باعث ہی وہ مجلس شوریٰ کو بھی خیر باد کہہ چکے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض امور و مسائل پر ان کی مخالفت نہ صرف قابلِ فہم تھی بلکہ واضح جواز بھی رکھتی تھی۔ لیکن ایک بڑا حلقہ جس نے ۱۹۷۷ء کی عظیم الشان تحریک نظامِ مصطفیٰ میں بڑے زور و شور سے حصہ لیا تھا'

ریاستی تشدد کو مردانہ وار برداشت کیا تھا' ظلم و جبر کو سہا تھا' ماریں کھائی تھیں' لہو بہایا تھا' ان کے لیے بعد کا دور بڑا غنیمت تھا اور اس میں اسلام کے نفاذ کے حوالے سے جو بھی پیش رفت ہو رہی تھی وہ اسے حصولِ پاکستان کی منزل تک پہنچنے کی پیش رفت سمجھتے تھے۔ خود ہم بھی اسی حلقے کا ایک حصہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے خطاب میں اسلام کے سیاسی نظام کے خدوخال اجاگر کیے' اس کے بنیادی اصولوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں اجاگر کیا اور یوں موضوع کے بارے میں قابل قدر راہنمائی سے شرکائے اجلاس کو نوازا۔ ان کے خطاب کے بعد شرکائے سیمینار نے موضوع کے تناظر میں خاصے سوالات کیے جن میں کہیں کہیں حدت کا عنصر بھی جھلکا۔

اس سیمینار کی مجلس منتظمہ کے ایک رکن' دائرۃ الفکر کے ایک ذمہ دار اور تقریب کے ایک میزبان ہونے کے باوجود یہ ملاقات اس قربت کی آئینہ دار نہ تھی جو ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ سے آخری ملاقات میں میسر آئی۔

ان دونوں ملاقاتوں —— قدرے مختصر اور قدرے تفصیلی —— کے بعد عددی اعتبار سے تیسری' لیکن حقیقی طور پر پہلی اور آخری ملاقات کے درمیان ایک لمبا عرصہ حائل رہا۔ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ سے یک طرفہ ''ملاقاتیں'' اخبارات و رسائل اور ٹیلی ویژن کی حد تک محدود رہیں' ان کے قابل قدر مجلات ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' اور ماہنامہ ''میثاق'' ہمیشہ زیر نظر و زیر مطالعہ رہے۔ ان کے افکار' ان کے اوراق پر تنویر کا ساماں کرتے رہے۔ ان کی تنظیمی و دعوتی خدمات سے آگہی حاصل ہوتی رہی۔ قرآن مجید کے حوالے سے ان کی گراں قدر خدمات سے سماعتیں اور بصارتیں فیض یاب ہوتی رہیں۔ اس میدان میں انہوں نے جس جذبے' ولولے' محنت اور استقامت سے کام کیا' گنتی کے چند ایک لوگ ہی ایسا کچھ کر پائے۔ نہ صرف ان کے خطابات اور بیانات بلکہ ان کے اشاعتی سلسلوں نے بھی ایک نیا جہان آباد کر ڈالا۔ عمل کی قوت اور کردار کی پختگی نے اس جہان کو بڑی مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ ان کی کسی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے' کسی مسئلے پر ان کے نقطۂ نظر پر بحث کی جا سکتی ہے' ان کے استدلال کے مقابل دلائل کھڑے کیے جا سکتے ہیں' اس لیے کہ عملی و فقہی امور میں اختلاف رائے تو ہمیشہ سے رہا ہے اور اسی لیے یہ کوئی معیوب بات بھی نہیں' لیکن ایک حقیقت جس سے کسی طور اختلاف نہیں کیا جا سکتا' وہ ہے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی اپنے ہدف کے ساتھ ناقابل ترمیم وابستگی۔ ان کا جذبہ شکست ناآشنا تھا اور ان کی جدوجہد کا گراف ہر دم اونچا ہوتا ہوا۔ بڑھتی عمر نے ان کے

عزم وحوصلہ کو اور تقویت دی' ان کے ولولے کو تازہ دم کیا' ان کی سعی و جہد کو نئی جہات عطا کیں۔ وہ بڑھاپے میں بھی جوانوں سے زیادہ حوصلے کے مالک تھے۔ ان کا صوتی آہنگ پورے ماحول پر انجذابی کیفیت طاری کر دیتا تھا' تب مرعوبیت کا اِک عجب سماں بندھا ہوا دکھلائی دیتا تھا۔

ان کے رعب و دبدبہ کی اصل وجہ وہ عظیم کتاب تھی' جس کے ساتھ ناطہ انہوں نے زندگی بھر کے لیے جوڑ لیا تھا۔ قرآن مجید کے ساتھ ان کا تعلق اور ربط وضبط قابل رشک حد تک مستحکم تھا۔ دین کے باقاعدہ روایتی طالب علم نہ ہونے کے باوجود انہوں نے قرآن مجید کے مستند سکالر کے طور پر اپنے آپ کو منوایا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس آخری پیغام کو ہی اپنی تمام تر توجہات کا مرکز بنایا' اسی میں غور وفکر کو اپنا معمول بنایا اور اسی سے مسائل کے حل کی راہیں تلاش کیں۔ قرآن وسنت' ان کے لیے سرچشمہ ہائے قوت تھے۔ اسی طاقت کی بدولت وہ اسلام کے بڑے سے بڑے حریف کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے اور پوری ہمت و جواں مردی کے ساتھ' دلائل سے لیس ہو کر' اس کے مدمقابل آن کھڑے ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کو بے پناہ ابلاغی قوت سے سرفراز فرما رکھا تھا۔ محافل وتقاریب میں ان کے براہِ راست خطابات ہوں یا ٹی وی کے لیے ان کے ریکارڈ شدہ لیکچرز' ان کے خطباتِ جمعہ ہوں یا ٹی وی پر مذاکرے' ان کی قوتِ بیان' اعجاز کی حامل ہوتی تھی۔ انہیں دوسروں پر چھا جانے کا فن آتا تھا اور سامع کو قائل کرنے کا ملکہ بھی انہیں حاصل تھا۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کی کسی رائے سے اختلاف بھی ہوتا تھا تو اس کے اظہار کے لیے بھی اسے سوچ و بچار کے بحرِ خار سے گزرنا ہوتا تھا۔ ان کی دبنگ شخصیت کے سامنے اپنی رائے پیش کرنا بھی کچھ آداب کا متقاضی تھا' اور بڑے دل گردے کا بھی۔ اور ایسا کرنا یقیناً ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قائل وعلمبردار تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی دھرتی پر انہی کے نظام کو کارفرما قوت کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ہر قسم کی فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر وہ سچے اور نکھرے اسلام کے داعی تھے۔ وہی اسلام جس نے چودہ صدیاں قبل کرۂ ارض پر بے مثال انقلاب بپا کیا تھا' ڈاکٹر صاحب بھی اسی انقلاب کو آج کی دنیا میں اٹھتا اور جڑ پکڑتا ہوا دیکھنے کے متمنی تھے اور اس کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر رہے تھے۔

۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد انہوں نے اسی انقلاب کی نیو اٹھانے کی مقدور بھر سعی کی۔ اپنے فہم و شعور' بصیرت و ادراک اور علم و حکمت سے انہوں نے جو خاکہ اپنے ذہن میں مرتب کیا' وہ یہی تھا کہ ایک بار پھر اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کو نبویؐ طریق اصلاح پر گامزن کیا جائے' اس کے قلب و نظر کو نبویؐ تعلیمات سے منور کیا جائے اور قرآن مجید کے ترمیم ناآشنا اصول و احکامات کو افرادِ اُمت کے اذہان میں راسخ کیا جائے۔ اسی طریق پر عمل پیرا ہو کر اُمت کا وہ گروہ تیار کیا جا سکتا ہے جو انقلاب کا داعی بن جائے۔ اسی دعوت کے نتیجے میں ہی انقلاب بپا ہو سکتا ہے' برگ و بار لا سکتا ہے۔

نظامِ خلافت کا قیام ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی زندگی کا مشن تھا۔ مروّجہ سیاست' اندازِ سیاست اور اس کی تگڑم بازیوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس راستے سے انقلاب اور پھر قیامِ خلافت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا' شاید حقائق سے چشم پوشی کے مترادف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انتخابی سیاست سے کوسوں دور رہے' نہ وہ خود اس میں کودے اور نہ ہی اپنی تنظیم کو اس کے قریب تک پھٹکنے دیا۔ ان کے لیے ایسا کرنا ممکن ہی نہ تھا' کیونکہ انتخابی سیاست کے موضوع پر ہی تو انہوں نے جماعت اسلامی کو خیرباد کہا تھا۔ وہ عوام کی ذہنی و فکری اور عملی تربیت کے لیے کوشاں رہے' اس لیے کہ انقلاب بپا کرنے کی یہ اوّلین اساس ہے اور وہ اسی اساس کو مستحکم کرنے کے لیے زندگی کے آخری سانس تک کوشاں رہے۔ اسی انقلاب کی حقیقی منزل خلافتِ اسلامیہ کا قیام تھا' جو نہ صرف ندائے خلافت کے اجراء کا محرک بنا' اور اسی حوالے سے یہ جملہ اس کا نقیب بھی۔

چونکہ ڈاکٹر اسرار احمد علیہ الرحمۃ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے بڑے مداح تھے اور ان کے کلام پر انہیں عبور بھی حاصل تھا' اس لیے وہ ان کے افکار سے نہ صرف استفادہ کرتے بلکہ ان کے اشعار سے اپنے خطابات کو بھی مزیّن کرتے۔ علامہ اقبال بھی مسلمانوں کو فکری و نظری اور عملی اعتبار سے ایک ہی لڑی میں پرویا ہوا دیکھنا چاہتے تھے' اس لیے وہ بھی بجا طور پر پان اسلام ازم اور احیائے خلافت کے علمبردار تھے۔ ہدف کی اسی ہم آہنگی نے ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کو ماہر اقبالیات کے روپ میں اُجاگر بھی کیا اور ان کی قدر و منزلت کا تعین بھی کیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد علیہ الرحمۃ والغفران جیسی عظمتوں کی حامل شخصیت کا ایک اور پہلو بے حد دلربا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں سادگی کا مرقع تھے۔ دنیوی جاہ و حشمت سے پاک ان کی زندگی' ان

کے افکار و نظریات کا عملی نمونہ تھی۔ مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ہمالہ کی بلندی پانے کے باوجود' وہ متوسط طبقے کے ادنیٰ ترین فرد کی طرح اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔ ہمارے ہاں خوشی کے مواقع پر اسراف و تبذیر کی تمام حدود کو پھلانگ لیا جاتا ہے' فضول خرچی کی انتہا کو ہم روز مرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں' بالخصوص شادی بیاہ کے موقع پر تو متوسط طبقہ بھی اس سے اجتناب برتنا دکھلائی نہیں دیتا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اس حوالے سے قول و فعل کی مکمل یکسانیت کا قابل رشک نمونہ قوم کے سامنے پیش کرتے رہے۔ انہوں نے شادی بیاہ کی ان تمام رسومات کا عملاً خاتمہ کر دکھلایا جنہوں نے آج ہماری معاشرتی زندگی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اس ضمن میں ان کا طرزِ عمل یقیناً آنے والے ادوار کے لیے قابل تقلید رہے گا۔

قدرے مختصر اور قدرے تفصیلی دو ملاقاتوں کے بعد حقیقی ملاقات کا درمیانی عرصہ جتنا طویل رہا' اتنی ہی طوالت ہمارے اس تذکرے میں بھی آ گئی۔ دراصل اس دوران یک طرفہ ملاقاتیں' ان کی شخصیت کے اصلی رنگ' جسے صبغۃ اللہ کہا جا سکتا ہے' کو مزید گہرا کرتی چلی گئیں۔ گہرے ہوتے اس صبغۃ اللہ کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع اللہ تعالیٰ نے ہی بہم پہنچایا۔ ہمارے رشتے کے ایک ماموں کی بیٹی کی شادی' ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کے قریبی اعزاء میں ہوئی۔ تقریب ولیمہ میں ہمارے ماموں جان ریاض محمود صاحب اور برادر محترم حامد اشرف کی ملاقات ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور سے ہوئی' جس میں پرانی یادیں تازہ کی گئیں۔ اسی ملاقات میں ڈاکٹر صاحب ؒ نے ہم تینوں بھائیوں —— برادران محترم طارق اشرف و حامد اشرف اور راقم الحروف —— سے اکٹھے ملنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے حامد بھائی کو دعوت بھی دی کہ آپ تینوں اکٹھے ہو کر لاہور میرے پاس آئیں۔ چند روز بعد ہی ڈاکٹر صاحب ؒ کا فیصل آباد کا پروگرام بن گیا۔ ان کی ہدایت پر تنظیم اسلامی فیصل آباد کے نگران جناب رشید عمر نے راقم الحروف سے فون پر رابطہ کیا اور ڈاکٹر صاحب کی فیصل آباد تشریف آوری کا ذکر کرتے ہوئے ملاقات کی خواہش کا ذکر کیا۔ یہ یقیناً ہم سب بھائیوں اور پورے خاندان کے لیے اعزاز تھا۔ ہم بچپن سے جن عظیم شخصیات کا نام گھر میں سنتے چلے آئے تھے' ان میں ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کا اسم گرامی بھی تھا۔ اس لیے ایک طویل عرصے کے بعد ہمارے ہاں ان کی تشریف آوری ہمارے لیے باعث سعادت تھی۔ جناب رشید عمر سے میں نے کہا کہ ان کے فیصل آباد قیام کے دوران ایک کھانے کا وقت ہمارے لیے مختص کر دیجیے۔ حتمی پروگرام

تعیّن' کچھ زیرو بم کا شکار رہا۔ بالآخر ۱۱ مارچ ۲۰۱۰ء کو رات کا کھانا راقم الحروف کی رہائش پر طے پایا۔ ڈاکٹر اسرار احمد ؒ لاہور سے سیدھے ہی پہنچے۔ آٹھ بجے شب وہ جب مسلم ٹاؤن نمبر 1 میں واقع گھر پر تشریف لائے تو جناب رشید عمر ان کے ہمراہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد جناب ڈاکٹر عبدالسمیع بھی پہنچ گئے۔ دونوں بھائیوں طارق اشرف و حامد اشرف کے ساتھ حکیم منصور العزیز اور دونوں بہنوئی جناب محمد طارق عبداللہ اور جناب ناصر محمود قادر بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب ؒ سے ماضی کی یادوں کا تذکرہ ہوتا رہا۔ وہ ابا جان مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف اور مولانا امین احسن اصلاحی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اپنی یادوں کی کہکشاں کے رنگ بکھیرتے رہے۔ ان میں سے بعض رنگ ہماری یادوں اور مشاہدات سے کچھ مختلف تھے۔ اس اختلاف کو بصد ادب ان کے سامنے رکھا گیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ہونے والی اپنی ملاقاتوں کا بھی تذکرہ کیا' بالخصوص دائرۃ الفکر کے پلیٹ فارم پر منعقدہ سیمینار میں ان کے خطاب کے حوالے سے کیا۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ یہ تقریب میرے ذہن میں محفوظ نہیں ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے یہ گزارش بھی کی کہ ابا جان علیہ الرحمۃ کے بارے میں المنبر کی خصوصی اشاعت کے لیے ان سے اپنی یادداشتیں قلم بند کرنے کی استدعا میں نے کی تھی' لیکن ان دنوں ان کی علالت طبع کے باعث ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ اس خصوصی اشاعت کی کچھ تفصیل بھی میں نے ان کے سامنے رکھتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے اس کے لیے کئی ایک شخصیات کے تفصیلی انٹرویوز بھی کیے ہیں جن میں مولانا عبدالغفار حسن علیہ الرحمۃ والغفران کا بے حد تفصیلی انٹرویو بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب بے ساختہ فرمانے لگے: ''آپ نے ہمارا انٹرویو بھی کر لیا ہوتا''۔ میں نے گزارش کی کہ اگر اگلے روز کی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکل سکے تو میں کل ہی اس سعادت کے حصول کا متمنی ہوں۔ جناب رشید عمر آنے والے دن کی مصروفیات میں سے کچھ وقت انٹرویو کے لیے مختص کرنے پر آمادہ تھے' لیکن ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ نے دو ٹوک انداز میں یہ حکم صادر فرما دیا کہ نہیں' یہ انٹرویو کے لیے میرے پاس لاہور آئے گا—— اور پھر اس سعادت کے حصول کا موقع ہی میسر نہ آ سکا۔

کم و بیش تین گھنٹے تک یہ نشست جاری رہی۔ ڈاکٹر اسرار احمد ؒ نے ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی کو خیر باد کہنے کے بعد اپنے لیے جس راہ کا انتخاب کیا' انہوں نے دلائل کے ساتھ اس کی وضاحت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام کو ایک کارفرما دین کے طور پر نافذ العمل دیکھنا

ہر مسلمان کی تمنا ہونی چاہیے اور اس کے لیے جدوجہد کرنا سبھی کی ذمہ داری ہے۔ اس سے کسی طور پر راہِ فرار اختیار نہیں کی جاسکتی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح کی کاوشیں درکار ہوتی ہیں۔ اجتماعی جدوجہد کسی نظم میں پروئے بغیر ممکن نہیں۔ اس نظم کے قیام کے لیے کسی جماعت سے وابستگی ضروری ہے۔ ان کا یہی فرمان تھا کہ آپ جس جماعت کو بھی اپنی فکر اور نظریات سے قریب تر پاتے ہیں' اس سے منسلک ہو جائیں۔ اور اگر کسی بھی جماعت یا تنظیم سے آپ ذہنی وفکری ہم آہنگی نہیں پاتے تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ خود اپنی تنظیم بنا کر حصولِ مقصد کے لیے جدوجہد کریں۔ اس ضمن میں انہوں نے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے دلائل بھی دیے۔ یقینی طور پر ان دلائل سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا تھا' لیکن عملی طریق کار کے تعین کے لیے کچھ اشکالات ذہن میں جنم لے رہے تھے۔ میرے سمیت چند شرکاء نے ان اشکالات کا اظہار بھی کیا۔ میری خواہش تھی کہ اس موضوع پر ان سے تفصیلاً بات چیت کی جائے' اپنا نقطۂ نظر سامنے رکھا جائے اور اس حوالے سے ان سے راہنمائی لی جائے' لیکن امورِ میزبانی سرانجام دیتے ہوئے بھرپور انداز میں یہ کام نہ ہوسکا۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ نے جب بیعت کو لازمی قرار دیتے ہوئے دلائل پیش فرمائے تو میں چاہتا تھا کہ اس بارے میں بھی اپنے ناقص علم پر مبنی کچھ معروضات ان کی خدمت میں پیش کروں' لیکن ایسا بھی ممکن نہ ہوسکا۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ سے زندگی میں پہلی بار ایسی نشست میں بیٹھنے کا موقع مل رہا تھا' ایسے میں فوراً ہی حدادب سے آگے بڑھنا کسی بھی حوالے سے مناسب نہ تھا' ایک تو ڈاکٹر صاحب کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے' اور دوسرے اپنی سرشت اور افتادِ طبع کے باعث۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے بیعت پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میرا سارا خاندان میرے ہاتھ پر بیعت ہے۔ بیٹے ہوں یا داماد' بیٹیاں ہوں یا بہوئیں' سبھی اس دائرۂ بیعت میں شامل ہیں۔ اس اعزاز پر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور نذرانہ تشکر بھی پیش کر رہے تھے۔

اس نشست میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد اپنی جدوجہد پر جامع انداز میں روشنی ڈالی۔ انہوں نے تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن کے قیام کے پس منظر کا بھی ذکر فرمایا اور ان دونوں حوالوں سے کی جانے والی مساعی سے روشناس کرایا۔ ان کی گفتگو کے دوران' ان کا جذبہ وولولہ' اپنے ہدف اور مقصد سے ان کی اٹوٹ وابستگی

اوران کی عزیمت وبصیرت بے حد قابل رشک تھی۔ وہ پیرانہ سالی کے اس عالم میں جوانوں سے زیادہ حوصلے اور ہمت کے مالک تھے۔ جسمانی عوارض کسی طور بھی ان کی روحانی قوت پر اثر انداز نہ ہو پاتے تھے۔ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے میں دِقت کے باوجود وہ بڑی جواں مردی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپنی حیاتِ مستعار کے آخری پینتیس دنوں میں وہ تین مرتبہ فیصل آباد تشریف لائے۔ جب انہوں نے مجھے انٹرویو کے لیے لاہور آنے کے لیے کہا تو میں نے گزارش کی کہ اپنے کچھ عوارض کے باعث زیادہ سفر کرنا میرے لیے ممکن نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میری طرف دیکھو' میں تو اس عمر اور کیفیت میں بھی دعوتی کاموں کے لیے طویل اسفار سے بھی گریز نہیں کرتا۔ بلاشبہ وہ صاحب عزیمت انسان تھے' استقلال کا پیکر تھے' دینی غیرت وحمیت کی تابندہ مثال تھے۔

اسی نشست میں گفتگو کے دوران انہوں نے چھوٹے بہنوئی ناصر محمود قادر کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ وہ روزانہ مخالفِ شریعت عمل کا ارتکاب کرتے ہوئے داڑھی منڈواتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ؒ کے ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ﴾ پر مبنی انداز نے برادرم ناصر کو اسی لمحہ یہ وعدہ کرنے پر قائل کرلیا کہ وہ اب داڑھی نہیں منڈوائیں گے' اور پھر انہوں نے یہ وعدہ نبھایا بھی۔

راقم الحروف کی رہائش پر ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی تشریف آوری کے موقعہ پر انہوں نے مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں ادا کیں۔ سفر کی وجہ سے ان کی مغرب مؤخر ہوگئی تھی' اس لیے یہ نماز انہوں نے اپنے ہم سفر کے ساتھ باجماعت ادا فرمائی۔ اس کی امامت انہوں نے کرسی پر بیٹھ کر خود کی۔ معاً بعد عشاء کی نماز کے لیے ہم سب شرکاءِ نشست اکٹھے ہوگئے۔ میری خواہش تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی امامت میں ہی ہم یہ نماز ادا کریں' لیکن انہوں نے جناب ڈاکٹر عبدالسمیع کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ یوں ہم نے ان کی امامت میں عشاء کی ادائیگی کی۔

اسی موقعہ پر گھر پر بھائیوں اور بہنوئیوں کے ساتھ ساتھ دونوں بہنیں بھی موجود تھیں' ان دونوں کی شدید خواہش تھی کہ ڈاکٹر صاحب ؒ چند منٹ کے لیے ان کے ہاں تشریف لا کر انہیں سعادت سے بہرہ ور کریں۔ ہماری منجھلی ہمشیرہ کا گھر راقم الحروف کی رہائش سے بالکل متصل ہے۔ کھانے کے بعد چائے کا انتظام انہوں نے اپنے ہاں کرلیا۔ بہنوئی طارق عبداللہ اور ہمارے اصرار پر ڈاکٹر صاحب ان کے گھر تشریف لے گئے۔ چائے کی نشست وہیں جمی۔

جبکہ سب سے چھوٹی ہمشیرہ کے ہاں تشریف لے جانے کا وعدہ انہوں نے کسی دوبارہ آمد سے منسلک کر دیا' لیکن قدرت کے تو اپنے ہی فیصلے ہوتے ہیں۔ وہ تو ربّ ذوالجلال کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر اسرار احمد ﷫ کی بشری لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے ان کی گراں قدر جدّوجہد کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ ان کی کاوشیں بارگاہِ الٰہی میں مقبول ٹھہریں۔ پہاڑ جیسے ان کے کام ثمر آور ہوں اور اس ملک خداداد میں ان کا مشن پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ یہاں حقیقی اسلامی انقلاب بپا ہو اور یہ ملک دنیا بھر کے لیے قابل تقلید اسلامی ریاست کا روپ دھار لے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں ڈاکٹر صاحب ﷫ کی لحد پر ہر آن نازل ہوتی رہیں' یہ جنت کا ٹکڑا بنے اور ان کی اُخروی زندگی تابندہ تر ہو۔ صلحاء واتقیاء اور شہداء وانبیاء کی رفاقت میسّر آئے۔ آمین یاربّ العالمین!

❁ ❁ ❁

## ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو رویڈیو کیسٹس رسی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

Visit us at www.tanzeem.org

# شراب ـــــ اُمّ الخبائث

عتیق الرحمٰن صدیقی

## دورِ جاہلیت کا معاشرہ اور جاہلی شاعری

سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت مبارکہ سے قبل عرب کے جاہلی معاشرے میں بے شمار مفاسد اور ذمائم موجود تھے۔ ایک خطرناک خرابی جس نے ان کی مادی' اخلاقی اور روحانی زندگی کو تباہ کن اثرات سے دوچار کر رکھا تھا' وہ ان کی شراب نوشی کی عادت تھی۔ عیش وطرب اور رقص ونغمہ کی محفلیں سجتی تھیں اور دورِ جام چلتا تھا۔ شراب پینا پلانا اچھے اچھے گھرانوں میں لطف اور تفریح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ بیبیاں شوہروں کو اور چھوٹے اپنے بزرگوں کو اپنے ہاتھوں سے پلاتے تھے۔ ان کی عیش کوشی اور عیاشی کا عالم یہ تھا کہ وہ خانہ کعبہ کے گرد جمع ہو کر شراب پیتے اور ہذیان بکتے تھے۔ شراب کی مستی میں مدہوش ہو کر وہ شرم وحیا کی حدود پار کر جاتے تھے۔

عرب معاشرے میں یہ چیز کتنی رچی بسی تھی اس کا اندازہ لگانے کے لیے جاہلی شاعری کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ان کی شاعری میں شراب کی اقسام' اس کی خصوصیات' جام ومینا اور محفل سرور کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے۔ طرفۃ العبد کہتا ہے:

''اگر تم مجھے اپنی مجلسوں میں تلاش کرو گے تو وہاں پاؤ گے اور اگر میخانوں میں تلاش کرو گے تو وہاں بھی پاؤ گے' جب بھی تم میرے پاس آؤ گے تو میں تمہیں شراب کا ایسا جام پلاؤں گا جو تمہیں سیراب کر دے گا۔''

یہی جاہلی شاعر اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

''شراب کی مستیوں اور مے خانے کی رنگینیوں میں میں برابر منہمک رہا' اور یہی میرا پیشہ اور ذریعہ معاش رہا' یہاں تک کہ پورے خاندان نے مجھے چھوڑ دیا اور میں اس طرح یک وتنہا ہو گیا جیسے کسی مریض اونٹ کو الگ کر دیا جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ مجھے نہ غریب اور صحرا کے باشندے ناپسند کرتے ہیں اور نہ مالدار اور صاحب ثروت لوگ (اس لیے کہ میں ان کا ہمدرد ہوں)۔ اے مجھے ملامت کرنے والے سن لے کہ

میں جنگ میں بھی شریک ہوتا ہوں اور میخانوں کی لذتوں میں بھی پیش پیش رہتا ہوں' کیا تم مجھے موت سے چھٹکارا دلا سکتے ہو؟ اگر نہیں تو مجھے چھوڑ دو میں خود اس کی طرف سبقت کروں۔ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں ہم جیسے نوجوانوں کے لیے زندگی ہے' ان چیزوں کے علاوہ مجھے کسی چیز کی پروا نہیں' ان میں سرِفہرست مے وخم کی رغبت اور تازہ اور چھلکتے ہوئے جاموں (جن میں سرخ اور سیاہ شراب ہو) سے الفت ہے''۔ (بحوالہ شرح القصائد السبع الطوال الجاھلیات)

امرؤالقیس کہتا ہے:

''شراب میرے لیے پاک وحلال ہوگئی ہے جبکہ میں پہلے ان رنگینیوں کا عادی نہیں تھا اور اب تو حال یہ ہے کہ میں جام پر جام بغیر حیا اور تردد وتکلف کے مسلسل پیتا رہتا ہوں''۔ (حوالہ سابق)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی معاشرہ شراب میں ڈوبا ہوا تھا' یہاں سرورِ عیش تسکینِ جاں تھی اور ناؤنوش کا یہ شغل اس معاشرت کا جزولازم تھا۔

مولانا حالی نے اپنی مسدس میں عرب معاشرے کے اخلاقِ ذمائم کا نقشہ بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا اور ان کی تعیش پسندی کو واضح کیا۔

مجوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی
شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی
غرض ہر طرح ان کی حالت بُری تھی

بہت اس طرح گزری تھیں ان کو صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھی بدیاں

## لغوی اور اصطلاحی مفہوم

شراب کی جمع اَشْرِبَۃٌ ہے اور شَرِبْتُہٗ شَرْبًا وَشُرْبًا کے معنی پینے کے ہیں۔ ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْہُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ..... فَشَرِبُوْا مِنْہُ﴾ (البقرۃ:۲۴۹) ''جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے ..... چنانچہ انہوں نے اس میں سے پانی پی لیا''۔ (بحوالہ مفردات القرآن' ص ۵۳۱) گویا لغوی اعتبار سے شراب کے معنی پینے کی چیز کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے بادہ' مے اور صہبا (فارسی) مراد لی جاتی ہے اور عربی میں اسے خمر کہا

جاتا ہے۔ اصل میں خمر کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔ اسی طرح خمارؔ ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی چیز چھپائی جائے جبکہ عرف میں خمارؔ کا لفظ عورت کی اوڑھنی پر بولا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ اپنے سر اور بدن کو چھپاتی ہے۔ شراب کو بھی خمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک ہر نشہ آور چیز پر خمر کا لفظ بولا جاتا ہے جبکہ بعض کے نزدیک صرف اس چیز کو خمر کہا جاتا ہے جو انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو (مفردات القرآن)۔ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا اس وقت لوگ مندرجہ ذیل اشیاء سے شراب بنایا کرتے تھے: (۱) انگور کا رس (۲) کھجور کا خیساندہ (۳) شہد میں پانی ملا کر (۴) گندم اور جو کو پانی میں بھگو کر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر ارشاد فرمایا: ''جس زمانے میں حرمت خمر کا حکم نازل ہوا اس وقت خمر پانچ چیزوں سے بنتی تھی: انگور، کھجور، شہد، گندم، جو۔ اور خمر کے معنی ہیں ہر وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈال دے''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ''خمر وہ ہے جسے تم خمیر دے کر سڑا لو اور پرانا کر لو''۔ (فقہ عمر۔ انسائیکلو پیڈیا۔۲)

## شراب کے تباہ کن اثرات

شراب خواری عاداتِ ذمیمہ میں سے ہے جس کے اثراتِ بد میں کوئی کلام نہیں۔ لوگ شراب پیتے اور پھر مدہوشی کے عالم میں آپس میں لڑتے جھگڑتے، ایک دوسرے کا سر پھوڑتے، گالی گلوچ میں آ کر جو اونٹ ملتا اس کو پچھاڑ ڈالتے اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کس کا ہے اور ساتھیوں کو کباب لگا کر کھلا دیتے۔ ساتھ ہی ساتھ جوا ہوتا اور اس میں مویشیوں کی بازی لگاتے۔ (سیرت النبیؐ جلد ششم)

علامہ یوسف القرضاوی نے لکھا ہے:

> ''ایک محقق نے بالکل صحیح کہا ہے کہ انسان کو شراب سے بڑھ کر کسی چیز نے زک نہیں پہنچائی۔ اگر دنیا کے ہسپتالوں کا جائزہ لے کر ان لوگوں کے اعداد و شمار جمع کیے جائیں جو شراب کی وجہ سے جنون اور لاعلاج امراض کا شکار ہو جاتے ہیں، جو قتل و خون کرنے لگ جاتے ہیں اور جو اعصابی بیماریوں اور پیٹ وغیرہ کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں نیز جو اپنی املاک سے ہاتھ دھو کر مفلس اور قلاش ہو کر رہ جاتے ہیں، تو اعداد ایسی خطرناک حد کو پہنچ جائیں گے کہ اس کے مقابلہ میں جو فصیحت بھی کی جائے گی کم ہی محسوس ہوگی۔'' (اسلام میں حلال و حرام)

صاحب ضیاء القرآن لکھتے ہیں:

''شراب کے زہریلے اثرات دیکھ کر یورپ و امریکہ کے ڈاکٹر اور دانشور لرزہ براندام ہیں..... حکومت امریکہ نے پورے چودہ سال تک شراب کے خلاف زور و شور سے جہاد جاری رکھا اور اس جہاد میں نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے جدید ترین اور قوی ترین وسائل اختیار کیے۔ اخبارات' رسالے' لیکچرز' تصاویر اور فلمیں سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے برسرپیکار رہے۔ اس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً چھ کروڑ ڈالر خرچ کیا' پچیس کروڑ پونڈ کا خسارہ برداشت کیا' تین سو افراد کو تختہ دار پر لٹکایا' پانچ لاکھ سے زائد اشخاص کو قید و بند کی سزائیں دیں' بھاری جرمانے کیے' بڑی بڑی جائیدادیں ضبط کی گئیں لیکن یہ ساری چیزیں بے کار ثابت ہوئیں۔ آخر کار حکومت کو اپنی شکست فاش کا اعتراف کرنا پڑا اور اس نے شراب نوشی کو جس کے خلاف عرصۂ دراز تک وہ معرکہ آرا رہی تھی' ۱۹۳۳ء میں قانوناً جائز قرار دے دیا---اسی طرح برطانیہ میں جو اس پر برائے نام پابندی تھی اسے بھی ۱۹۴۱ء میں واپس لے لیا گیا اور اس کی بیخ کنی کے لیے ساری مساعی ناکام ہو جانے کے بعد اسے بھی قانونی طور پر سند جواز مل گئی۔''

(ضیاء القرآن' جلد اوّل' ص ۵۰۸)

## اسلام کا اعزاز

یہ اعزاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے نہایت حکیمانہ انداز اپنا کر ایک تدریج کے ساتھ ساری قوم کو اس بلائے بے درماں اور نہایت قبیح اور رذیل عادت سے نجات دلائی' لوگوں کی نفسیاتی کیفیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شراب کی حرمت کو تدریجی طور پر نافذ کر دیا اور یوں فتنہ و فساد کی ایک اہم علت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔

## حرمت شراب کی تمہید

حرمت شراب کی تمہید کے طور پر مکی دور میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝﴾ (النحل)

''اس طرح کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی (ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں) جسے تم نشہ آور بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔ یقیناً اس میں نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔''

نشہ آور چیز سے مراد شراب ہے۔ اس نص سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ شراب پاکیزہ رزق نہیں ہے اور پاکیزہ رزق شراب کے علاوہ ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس آیت میں نشہ کو رزقِ حسن کے مقابلہ میں رکھا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ نشہ رزقِ حسن نہیں۔'' (تفسیر کبیر)

اس تمہید کے ذریعے لوگوں میں یہ احساس پیدا کرنا مقصود تھا کہ شراب اور نشہ آور چیزیں کوئی اچھی اور پاکیزہ اشیاء نہیں ہیں لہٰذا ان سے دور ہی رہو تو بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''سکر (نشہ آور) سے کھجور اور انگور کی وہ چیزیں مراد ہیں جو حرام ہیں اور رزقِ حسن سے مراد ان دونوں کی وہ چیزیں ہیں جو حلال ہیں' مثلاً چھوہارہ' منقیٰ اور اس سے کشید کیا جانے والا شیرہ۔ سرکہ اور نبیذ میں جب تک تیزی نہ آ جائے' وہ حلال ہیں جیسا کہ سنت میں وارد ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر' جلد دوم)

## حرمت شراب کی طرف دوسرا قدم

جب حضور رحمۃ للعالمین ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ شراب اور جوئے کے بارے میں اسلام کا کیا فیصلہ ہے۔ لوگ آپ سے اس بارے میں سوال کرتے تھے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾ (البقرۃ:۲۱۹)

''لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے اگرچہ لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں' مگر ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔''

یہ شراب اور جوئے کے متعلق پہلا حکم ہے جس میں شراب کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے تاکہ اذہان ان کی حرمت کو قبول کرنے کے لیے آمادہ و تیار ہو جائیں۔ اس آیت میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ ان کا ترک کر دینا ہی اولیٰ و افضل ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ شراب بھی پیتے رہے اور دعا بھی کرتے رہے کہ اس بارے میں کوئی واضح اور اطمینان بخش حکم نازل ہو۔

اس کے بعد شراب کی حرمت کے مسئلہ کو ایک قدم اور آگے بڑھایا گیا اور نشہ کی حالت

میں نماز سے روک دیا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء:۴۳)

''اے ایمان والو! جب تم نشہ میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جانو کہ تم کیا کہتے ہو۔''

نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کی ہدایت ان صحابہ کرام ؓ کے لیے تھی جو شراب پیتے تھے اور نشے کی حالت میں مسجد میں آ جایا کرتے تھے انہیں معلوم ہی نہیں ہو پاتا تھا کہ انہوں نے کتنی رکعتیں پڑھیں اور نماز میں اپنی زبان سے کیا ادا کر رہے ہیں[1]۔ ابوعبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چند صحابہ ؓ کی کھانے پر دعوت کی' کھانے کے بعد ان لوگوں نے شراب بھی پی۔ اسی دوران مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ نماز میں انہوں نے سورۃ الکافرون پڑھی مگر (نشہ کی وجہ سے) صحیح طریقہ پر نہیں پڑھ سکے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء:۴۳) (مدنی معاشرہ از ڈاکٹر سید لقمان ندوی بحوالہ اسباب النزول' ص ۱۴۶)۔ غالباً ۴ ہجری کی ابتدا میں یہ دوسرا حکم آیا اور نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے اپنے شراب پینے کے اوقات بدل دیے۔

## شراب کی قطعی حرمت

آخری مرحلہ میں شراب کی حرمت کا قطعی حکم آ گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝﴾ (المائدۃ)

(۱) چونکہ شراب کی حرمت کا حکم ابھی نہیں آیا تھا لہٰذا بعض اوقات لوگ نشے کی حالت ہی میں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے۔ ایسے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ کسی نے نشے میں نماز پڑھائی اور ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کے بجائے ''اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ'' پڑھ دیا۔ اس پر خاص طور پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بیان القرآن از ڈاکٹر اسرار احمدؒ جلد دوم' ص ۱۵۴)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہ شراب اور جوا' یہ بُت اور پانسے' سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو' اُمید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز آ ؤ گے یا نہیں؟''

جب یہ حکم نازل ہوا تو بعض صحابہؓ نے چلّا کر کہا اِنْتَهَيْنَا(۱) ''ہم باز آ گئے''۔ اس دن مدینہ کا یہ حال تھا کہ ہر طرف گلیوں میں خم اُلٹے جا رہے تھے اور شراب زمین پر بہائی جا رہی تھی۔ حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

...... فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ(۲)

مندرجہ بالا آیہ کریمہ میں شراب کی حرمت کے اسباب بھی واضح کر دیے گئے کہ یہ شیطانی عمل ہے' فتنہ وفساد کا باعث ہے اور انسان کو بہت سے ضروری کاموں سے غافل کر دیتا ہے۔

## ہر نشہ آور چیز حرام ہے

محسن اعظم ﷺ نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی کہ شراب کس چیز سے بنائی جاتی ہے' آپؐ نے ہر نشہ والی چیز خواہ وہ کسی بھی چیز سے بنائی گئی ہو اور اس کا کوئی بھی نام ہو' کو حرام قرار دیا۔ نبی کریم ﷺ سے استفسار کیا گیا کہ شہد' مکئی اور جو سے شراب بنائی جاتی ہے اس کا کیا حکم ہے' آپؐ نے فرمایا: ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ))(۳) ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر خمر (شراب) حرام ہے''۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ إِلَيْهِ))(۴)

''اللہ نے لعنت فرمائی شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور پلانے والے پر اور بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر اور کشید کرنے والے پر اور ڈھو کر لے جانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لیے وہ ڈھو کر لے جائی گئی ہو۔'' اس حدیث میں بھی خمر کو مطلقاً

(۱) سنن ابی داوٗد' کتاب الاشربۃ' باب فی تحریم الخمر۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب المظالم والغصب' باب صب الخمر فی الطریق۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب بیان ان کل مسکر خمر وان کل خمر حرام۔

(۴) سنن ابی داوٗد' کتاب الاشربۃ' باب العنب یعصر للخمر۔

حرام قرار دیا گیا ہے۔]

## نشہ آور چیز حرام ہے کم ہو یا زیادہ

اسلام نے شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا' اس کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ' وہ حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ)) (۱)

''جو چیز کثیر مقدار میں نشہ لائے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔''

نیز فرمایا:

((مَا اَسْكَرَ الْفَرَقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ)) (۲)

''جو چیز فرق (ایک ناپ جو سولہ رطل کا ہوتا ہے) کی مقدار نشہ آور ہو اس کی چلو بھر کی مقدار بھی حرام ہے۔''

## شراب کی خرید و فروخت

حضور نبی کریم ﷺ نے قلیل یا کثیر مقدار میں شراب کو حرام ہی قرار نہیں دیا بلکہ اس کی تجارت کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ کسی مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ شراب کا کاروبار کرے' شراب خانہ کھولے یا شراب خانے میں ملازمت اختیار کرے۔ آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں دس افراد پر لعنت فرمائی ہے' جیسا کہ سطور بالا میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت کردہ حدیث بیان کی گئی۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ الْخَمْرَ فَمَنْ اَدْرَكَتْهُ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَعِنْدَهٗ مِنْهَا شَيْءٌ فَلَا يَشْرَبْ وَلَا يَبِعْ))(۳)

''اللہ نے شراب حرام کر دی ہے' لہٰذا جس شخص تک یہ حکم پہنچ جائے اور اس کے پاس شراب موجود ہو تو وہ اسے نہ پیے اور نہ اسے فروخت کرے۔''

---

(۱) سنن الترمذی' کتاب الاشربۃ عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء ما اسکرہ کثیرہ فقلیلہ حرام۔

(۲) سنن الترمذی' کتاب الاشربۃ عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء ما اسکرہ کثیرہ فقلیلہ حرام۔ و سنن ابی داوٗد' کتاب الاشربۃ' باب النهی عن المسکر۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب المساقاۃ' باب تحریم بیع الخمر۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے شخص کے ہاتھ انگور فروخت کرے جس کے بارے معلوم ہو کہ وہ ان انگوروں کو نچوڑ کر شراب تیار کرے گا' تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ ہادی اعظم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ اَيَّامَ الْقِطَافِ حَتّٰى يَبِيْعَهٗ مِنْ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ اَوْ مَنْ يَتَّخِذُهٗ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلٰى بَصِيْرَةٍ))

''جس نے انگور کو فصل کٹنے پر روک رکھا تا کہ وہ کسی یہودی یا نصرانی یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ بیچ دے جو اس سے شراب بناتا ہو تو وہ جانتے بوجھتے آگ میں گھس پڑا۔''

(اسلام میں حلال وحرام' بحوالہ الطبرانی فی الاوسط)

## شراب بطور تحفہ

حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ ہم یہودیوں کو تحفہ میں شراب کیوں نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا: ''جس نے یہ چیز حرام کی اس نے اسے تحفہ دینے سے بھی منع کر دیا ہے''۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے چاہا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں شراب ہدیتاً پیش کرے۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ نے شراب حرام کر دی ہے''۔ اس نے پوچھا پھر اسے فروخت کر دوں؟ فرمایا: ''جس ہستی نے شراب کا پینا حرام کر دیا ہے اس نے اس کا فروخت کرنا بھی حرام کر دیا ہے''۔ اس نے کہا پھر یہود کی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ''اُس نے اسے ہدیتاً پیش کرنا بھی حرام کیا ہے''۔ اس نے کہا پھر میں اسے کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''بطحا کے راستوں میں بہا دو''۔ (اسلام میں حلال وحرام بحوالہ مسند حمیدی)

## شراب دوا نہیں' بیماری ہے

ایک صاحب نے حضور ﷺ سے باصرار دریافت کیا کہ دوا کے طور پر شراب کے استعمال کی تو اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے''۔ ایک اور صاحب نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے اور ہمیں محنت بہت کرنی پڑتی ہے' ہم لوگ شراب سے تکان اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: ''جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: ''تو اس سے پرہیز کرو''۔ انہوں نے عرض کیا: مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے۔ فرمایا: ''اگر نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو''۔ (بحوالہ تفہیم القرآن' جلد اوّل' ص ۵۰۱)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((.....إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ)) (۱)

''.....شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔''

نیز فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ)) (۲)

''اللہ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں نازل کی ہیں اور تمہارے لیے بیماری کا علاج بھی رکھا ہے' لہٰذا علاج کرو لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرو۔''

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی چیز کی حرمت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اس سے بالکل اجتناب اور دوری اختیار کی جائے' اگر بغرضِ علاج اس کو استعمال کرنے کی گنجائش رکھی گئی تو اس سے رغبت اور اختلاط پیدا ہو جائے گا جو شارع کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔''

## ایک نفسیاتی پہلو

امام ابن قیمؒ نے ایک نفسیاتی پہلو کی طرف بھی متوجہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''دوا سے شفاء حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے قبولیت کے ساتھ استعمال کیا جائے' یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ وہ مفید ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے جو شفا رکھی ہے اس کی برکت حاصل ہوگی۔ لیکن ایک مسلمان کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ شراب عین حرام ہے' یہ اعتقاد اس کے مفید اور ذریعہ شفا ہونے کے منافی ہے' اس اعتقاد کے ساتھ نہ شراب کے بارے میں اچھا گمان پیدا ہو سکتا ہے اور نہ اسے قبولیت کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے بلکہ بندہ ایمان میں جتنا پختہ ہوگا اتنا ہی وہ شراب سے نفرت کرے گا اور اسے برا اور ناگوار خیال کرے گا۔ ایسی صورت میں شراب کا استعمال اس کے لیے بیماری کا باعث ہوگا نہ کہ دوا کا''۔ (زاد المعاد' جلد ۳)

البتہ ایسی مجبوری کہ جان خطرہ میں پڑ گئی ہو اور اس مرض کا علاج شراب کے بغیر ممکن نہ

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب تحریم التداوی بالخمر۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الطب' باب فی الادویة المکروهة۔

(۲) سنن ابی داؤد' کتاب الطب' باب فی الادویة المکروهة۔

ہو اس کا مجوز ایک ماہر اور حاذق طبیب ہو تو اضطراری حالت میں ایک تنگ دائرہ کے اندر اس کا جواز ممکن ہے: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الانعام) ''پھر جو مجبور ہو جائے بغیر اس کے کہ وہ اس کا چاہنے والا یا حد سے تجاوز کرنے والا ہو' تو تمہارا رب غفور رحیم ہے۔''

## محذّرات کا استعمال

محذّرات مثلاً گانجا' کوکائین اور افیون وغیرہ سے بھی مکمل اجتناب لازم ہے۔ اس سے جسم میں فتور اور اعصاب میں بے حسی پیدا ہوتی ہے' صحت کمزور ہوتی ہے اور پست ہمتی' اخلاقی گراوٹ اور عزائم میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ ضیاعِ مال اور گھروں کی تباہی اس پر مستزاد ہے۔
امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حشیش (گانجا) حرام ہے خواہ اس سے مدہوشی طاری ہو یا نہ ہو..... اس میں سرور اور نشہ ہوتا ہے اس لیے اسے فاجر لوگ ہی استعمال کرتے ہیں اور یہ اپنی خصوصیت کی بنا پر نشہ آور شراب ہی کے قبیل کی چیز ہے''۔ (اسلام میں حلال و حرام بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ)

## شراب نوش اور نشہ باز کی سزا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں شارب خمر (مے نوش) اور ہر ایسے شخص کو جو نشہ کی حالت میں پایا جائے' خواہ اسے یہ نشہ کسی بھی نشہ آور چیز سے ہوا ہو' اگر وہ شخص آزاد ہو تو اسے چالیس کوڑوں کی سزا دیتے تھے' لیکن اپنی خلافت کے آخری ایام میں ایک مشہور واقعہ کے بعد صحابہؓ سے مشورہ کے بعد آپؓ نے ۸۰ کوڑے سزا جاری کی (موسوعہ فقہ حضرت عمرؓ۔ ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی)
مؤطا امام مالک میں ابن شہاب کی روایت ہے:

عن ابن شهاب عن السائب ابن يزيد أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ إِنِّيْ وَجَدْتُ مِنْ فُلَانٍ رِيْحَ شَرَابٍ فَزَعَمَ أَنَّهُ شَرَابُ الطِّلَاءِ وَأَنَا سَائِلٌ عَمَّا شَرِبَ فَإِنْ كَانَ يُسْكِرُ جَلَدْتُهُ فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ تَامًّا (۱)

''ابن شہاب سے روایت ہے کہ سائب بن یزید نے ان کو خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن نکلے تو کہا کہ میں نے فلاں شخص کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ شراب طلاء کی قسم والی شراب ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس

(۱) مؤطا مالك' كتاب الاشربة' باب الحد فى الخمر۔

کے بارے میں پوچھوں گا کہ وہ کیا چیز ہے۔ اگر وہ مسکر ہوگی تو اس کو کوڑے ماروں گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کی۔''

مولانا امین احسن اصلاحی اس روایت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ نے طلا کے بارے میں تحقیقات کروائی اور اس کے پینے پر اس کے مسکر ہونے کی وجہ سے پوری حد جاری کی۔ پوری حد کا مطلب یہ ہے کہ ۸۰ کوڑے۔ باقی رہ گیا کہ وہ فلاں کون صاحب تھے تو حافظ عبدالبر کی تحقیق یہ ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے بیٹے تھے۔ بہرحال انہوں نے تحقیق کے بعد حد جاری کردی۔'' (تدبر حدیث)

صاحب تدبر حدیث لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص شراب پی کر آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو مارو۔ کسی نے تھپڑ مارا' کسی نے گھونسا مارا' کسی نے جوتا کھینچ مارا' کسی نے اپنی چادر کا کوڑا بنا کر مارا' اس کے بعد اس کو چھوڑ دیا گیا۔ تخمینہ لگایا گیا کہ کتنی مار پڑی ہوگی تو لوگوں نے کہا کہ چالیس کوڑے کے قریب۔ بس یہ تخمینہ ہی تھا' حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا یہی مسلک ہے اور یہی مسلک حضرت عثمان اور حضرت علی ؓ کا ہے لیکن اس پر اجماع نہیں۔'' (تدبر حدیث' ص ۲۵۷)

## حرفِ آخر

شراب اَن گنت جسمانی و روحانی امراض کا سبب ہے' خصومت کے جذبات پیدا کرتی ہے' اس سے شہوت کو شہہ ملتی ہے' بے غیرتی کا باعث بنتی ہے اور بے شمار فتنوں کا دروازہ کھولتی ہے۔ اس سے بے حیائی' فحاشی اور بدکاری کا سیلاب امڈتا ہے۔ یہ اُمّ الخبائث ہے' اس کے نجس' پلید اور شیطانی عمل ہونے میں کوئی شک نہیں۔ شریعت کی رو سے ایک اسلامی حکومت کا فرضِ منصبی ہے کہ وہ شراب کی بندش کے حکم کو بزورِ قوت نافذ کرے اور اس کے تمام تر مقدمات پر قدغن لگائے۔ حضرت عمر ؓ کے زمانے میں بنی ثقیف کے رویشد نامی شخص کی دکان اس بنا پر جلوادی گئی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک پورا گاؤں حضرت عمر ؓ کے حکم سے اس قصور پر جلا ڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار ہوتا تھا۔ اسلام کے پاکیزہ نظام میں اس نجاست اور گندگی کی ہرگز گنجائش نہیں۔ اس لیے ہر نشہ آور چیز اور ان کے متعلقات کی خرید و فروخت اور ان کے استعمال کی بندش اسلامی حکومت کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ oo

# حسد۔ایک اخلاقی برائی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

دنیا میں انسان گوناگوں صلاحیتیں لے کر پیدا ہوا ہے۔ کسی کے پاس مال و دولت ہے تو کسی کے پاس حسن و جمال، کسی کو عزت کا مقام و مرتبہ ملا ہے تو کسی کے پاس عیش و آرام کی سہولت ہے، کوئی صحت مند ہے تو دوسرے نے سخاوت میں شہرت پائی ہے۔ اسی طرح دنیا میں کمتر حیثیت کے لوگ بھی ہیں اور مال و دولت اور عیش و عشرت سے محروم بھی۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ بڑی حیثیت کے لوگ اپنے سے کم حیثیت کے لوگوں کے ساتھ ہمدردی رکھیں، ان کی مالی اور اخلاقی مدد کریں، اور کم حیثیت کے افراد اچھی حیثیت کے لوگوں کی خوشحالی دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے بھی ان جیسی بہتری و خوشحالی کے لیے دعا گو ہوں۔ یوں تمام لوگ بھائی بھائی بن کر رہیں اور اس طرح ایک پُرسکون معاشرہ تشکیل پائے۔ مگر کیا کیا جائے کہ نفسِ امارہ انسان کو اچھائیوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کم حیثیت کے لوگ صبر و شکر کا رویہ اختیار کرنے کی بجائے دوسروں کی خوشحالی دیکھ کر اندر ہی اندر جلنے لگتے ہیں اور ان کے زوالِ نعمت کی خواہش کرتے ہیں۔ اس رویے سے بغض اور کینہ جنم لیتا ہے، جس کے نتیجہ میں انسان دوسروں کا دشمن بن جاتا ہے۔ اسی کا نام حسد ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ أَوْ قَالَ الْعُشْبَ)) (۱)

''تم حسد کے مرض سے بہت بچو۔ حسد (آدمی کی) نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔'' یا فرمایا: ''خشک گھاس کو۔''

حسد کرنے والا جس کی بدخواہی کرتا ہے اُس کی طرف سے اپنے دل میں بغض و عناد پالتا ہے، اور اُس کی غیبت کرتا ہے تو گویا اپنی نیکیاں ضائع کرتا ہے۔ یوں حسد کے روگ میں مبتلا

شخص نیکیوں سے محروم ہو کر خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

حسد کی برائی اس وجہ سے ہے کہ حاسد اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کمزور رکھتا ہے۔ وہی روزی میں وسعت دیتا ہے اور وہی روزی ماپ تول کر دیتا ہے۔ وہی صحت دیتا ہے اور اسی کی طرف سے بیماری ہے۔ تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے وافر نعمتوں سے نوازا ہے اُس کے لیے زوالِ نعمت کی خواہش کرنے والا حقیقت میں خدائی فیصلے پر معترض ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام پر اعتراض کی گنجائش نہیں' کیونکہ وہ سب سے بڑا حکیم ہے اور اس کا ہر فیصلہ صحیح اور درست ہے۔ اس کی حکمت ہر جگہ کارفرما ہے۔ چونکہ حاسد جہاں دوسروں کے زوالِ نعمت کی تمنا رکھتا ہے وہاں وہ حتی المقدور محسود کو نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کرتا ہے اور اس کی یہ حرکت نتیجہ خیز بھی ہو سکتی ہے' چنانچہ اس کا علاج یہ بتایا گیا کہ انسان اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہے کہ وہ اسے حاسد کے شر سے محفوظ رکھے۔ اس ضمن میں قرآن مجید کی آخری دو سورتیں ''معوذتین'' بہت اہم ہیں' جن میں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی استدعا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کو کسی شخص کے حق میں زوالِ نعمت منظور نہ ہو تو حاسد اس کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا بلکہ کینہ اور بغض دل میں رکھ کر خود اندر ہی اندر جلتا بھنتا رہے گا ؎

حاسد حسد کی آگ میں خود ہی جلا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے!

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن مجید میں رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کہا گیا ہے' یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے حق میں شفیق اور مہربان تھے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص لطف و کرم نے ان کے دل ملا دیے تھے اور وہ پرانے جھگڑوں کو بھول کر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمْ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ ھِیَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعَرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ)) (۲)

''اگلی اُمتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آ رہی ہے۔ یہ بالکل صفایا کر دینے والی ہے۔ میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کر دیتی ہے دین کا۔''

گویا حسد وبغض انسان کی نیکیوں کا صفایا کر دیتا ہے۔ یہی مطلب ہے متذکرہ بالا حدیث کا جس میں فرمایا گیا: ''تم حسد سے بچو' حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے'' یا فرمایا ''خشک گھاس کو۔''

اسلام ہماری قدم قدم پر راہنمائی کرتا ہے اور بہترین اخلاقی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُظْهِرُ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيكَ فَيَرْحَمُهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيكَ)) (۳)

''تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو' ہو سکتا ہے اللہ اس پر رحم فرمائے (یعنی اُسے تو اس مصیبت سے نجات دے دے) اور تم کو اس میں مبتلا کر دے۔''

جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ترقی کر کے دشمنی اور عداوت تک پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح ایک شخص دوسرے کا بدخواہ اور دشمن ہو جاتا ہے اور اسے مصیبت میں دیکھنے کی تمنا کرنے لگتا ہے' اور اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے۔ اسے شماتت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بسا اوقات دنیا میں اس کی سزا اس طرح دیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے دیتے ہیں اور اس پر خوش ہونے والے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔ فارسی ضرب المثل ہے ''چاہ کن را چاہ در پیش''۔ یعنی جو کسی کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اُس میں گرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو اس کے جواب میں آپؐ نے ایسے شخص کا ذکر فرمایا جس کا دل صاف ہو یعنی نہ اس میں کینہ ہو نہ حسد۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہر صاف دل اور سچی زبان والا''۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ سچی زبان والے کو تو ہم پہچانتے ہیں مگر صاف دل کون ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ((هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا إِثْمَ فِيهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ)) (۴) ''وہ پرہیزگار اور پاک دل شخص جس (کے دل) میں نہ گناہ ہے نہ بغاوت' نہ کینہ ہے اور نہ حسد''۔

آج ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے جرائم کے اسباب میں سب سے بڑا سبب یہی حسد ہے' اس کی وجہ سے دوستوں اور رشتہ داروں حتیٰ کہ حقیقی بھائیوں کے مابین بھی دُوری پیدا ہو چکی ہے' محبت اور مودّت کی فضا رخصت ہو چکی ہے۔ یہ روحانی مرض اخلاق کو دیمک کی

طرح چاٹ رہا ہے اور معاشرے میں عداوتیں اور دشمنیاں جنم لے رہی ہیں۔

حسد سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ راضی برضائے رب رہنے کا انداز اختیار کیا جائے‘ صبر وشکر کا طریقہ اپنایا جائے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ دیا ہے ان کی بدخواہی نہ کرنی چاہیے‘ بلکہ اسے اللہ کا فیصلہ سمجھ کر برداشت کرنا چاہیے اور اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے فضل مانگتے رہنا چاہیے۔ جس کو کسی سے حسد کا خطرہ ہو اسے چاہیے کہ معوّذتین کا ورد کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے حاسد کے شر سے پناہ مانگتا رہے۔ بڑی حیثیت کے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے کمزور عزیز واقارب کو بڑے بن کر نہ دکھائیں بلکہ ان کے ساتھ مل جل کر رہیں اور اُن کے سامنے اپنی برتری جتا کر ان کی انا کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ ان کے سامنے نرم خوئی کا اظہار کریں اور ہمدردی کا رویہ اختیار کریں۔ مشکل اور مصیبت میں دیکھیں تو ان کی امداد کریں۔

## حواشی

(۱) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الادب‘ باب فی الحسد۔

(۲) سنن الترمذی‘ کتاب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللہﷺ۔ ومسند احمد‘ کتاب مسند العشرة المبشرین بالجنة‘ باب مسند الزبیر بن العوام۔

(۳) سنن الترمذی‘ کتاب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللہﷺ۔

(٤) سنن ابن ماجه‘ کتاب الزهد‘ باب الورع والتقویٰ۔

اسلام کا اخلاقی و روحانی نظام



بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کا ایک جامع فکر انگیز خطاب

جسے کتابچے کی صورت میں شائع کیا گیا ہے

اس خطاب میں اہل تصوف اور تحریکات کے کام کا باہمی ربط و تعلق حکیمانہ انداز میں واضح کیا گیا ہے

صفحات: 56، ہدیہ: 35 روپے

# انٹرنیٹ اور اس کے مضر اثرات

حافظ محمد زبیر

آج کل انٹرنیٹ کا استعمال بہت زیادہ بڑھ گیا اور آئے روز بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس وقت دنیا کی تقریباً ۲۹ فی صد آبادی انٹرنیٹ استعمال کر رہی ہے۔ فروری ۲۰۱۰ء کی ایک رپورٹ کے مطابق صرف پاکستان میں تقریباً تین کروڑ پچاس لاکھ افراد انٹرنیٹ استعمال کر رہے ہیں۔ ایک دوسری رپورٹ کے مطابق عرب ممالک میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں میں ۸۵ فی صد افراد کی عمر ۱۵ سے ۳۵ سال کے مابین ہے جبکہ ان میں سے ۶۵ فی صد افراد شام کے اوقات میں اباحی☆ ویب سائیٹس کو وزٹ کرتے ہیں۔ ایک اباحی ویب سائیٹ کی رپورٹ کے مطابق اس کی ویب سائیٹ کو روزانہ پوری دنیا سے تقریباً ۵۰ لاکھ افراد وزٹ کرتے ہیں۔ یہ تو ایک ویب سائیٹ کا معاملہ ہے جبکہ ایسی ہزاروں ویب سائیٹس موجود ہیں۔ ان حالات میں اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ انٹرنیٹ کے استعمال کے حوالے سے دینی رہنمائی عام کی جائے۔ ذیل کا مضمون بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

## انٹرنیٹ کے بارے اپنے عقیدہ پر غور فرمائیں!

اسلام ایک نظریاتی دین ہے۔ جب تک کسی عمل کے پیچھے کوئی نظریہ یا عقیدہ کارفرما نہ ہو تو وہ عمل بے مقصد اور لایعنی کوشش کہلاتا ہے۔ عموماً کسی بھی عمل کی بنیاد کوئی نہ کوئی فکر ہوتی ہے۔ پس فکر اور عقیدہ پہلے ہے اور اس کے بعد عمل ہے' اور یہی عمل جب ایک منظم اور اجتماعی صورت اختیار کر لیتا ہے تو اسے تحریک کہتے ہیں' لہٰذا عمل اور تحریک کے لیے عقیدہ اور فکر کی تصحیح مسلّم ہے۔ دین اسلام نے انسانوں کے اعمال سے زیادہ ان کے عقائد اور نظریات کی اصلاح پر زور دیا ہے' کیونکہ اگر عقیدہ اور نظریہ درست ہو گا تو عمل بھی صحیح کہلائے گا' لیکن اگر فکر اور عقیدے میں ہی بگاڑ ہو تو عمل فاسد شمار ہو گا۔ لہٰذا کسی بھی عمل سے پہلے اس بارے اپنے

☆ ''اباحی'' کا لفظ ''اباحیت'' سے نکلا ہے یعنی ہر شے کو مباح اور جائز قرار دینا۔ یہاں مراد ایسی ویب سائٹس ہیں جو عریانی فحاشی وغیرہ پر مشتمل مواد اور ویڈیوز نشر کرتی ہیں۔

عقیدے کی تصحیح ایک لازمی امر ہے۔ اب ہم انٹرنیٹ کے بارے میں لوگوں کے نظریات کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ انٹرنیٹ کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ فی نفسہٖ ایک خیر کا آلہ ہے اور اس سے دنیا میں بہت خیر وجود میں آیا ہے۔

۲۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ایک مجرد شے ہے جو فی نفسہٖ خیر و شر سے پاک ہے' یعنی یہ نہ تو خیر کا آلہ ہے اور نہ ہی شر کا۔ اصل مسئلہ اس کے استعمال کا ہے' چاہے تو خیر کے لیے استعمال کر لیں اور چاہے تو شر کے لیے کر لیں۔ جیسا اس کا استعمال ہوگا ویسا ہی اس کا حکم بھی ہوگا۔

۳۔ ایک تیسری رائے یہ ہے کہ یہ فی نفسہٖ خیر یا شر تو نہیں ہے لیکن شر کے لیے اس آلے کے کثرتِ استعمال کی وجہ سے اس پر شر کا آلہ ہونے کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہٰذا شر کے لیے اپنے کثرت استعمال کی وجہ سے یہ شر کا ایک آلہ بن چکا ہے جس سے خیر کا کام لینے کی کسی قدر گنجائش موجود ہے' تاکہ اس کے ذریعے شر کے اثرات کو کم کیا جا سکے اور کسی قدر خیر کو بھی پھیلایا جا سکے۔

۴۔ ایک چوتھی رائے یہ ہے کہ انٹرنیٹ سمیت سائنس کی تقریباً تمام ایجادات ہی فی نفسہٖ شر ہیں' کیونکہ ان ایجادات کی پیداوار ایک خاص فکر' عقیدے' تہذیب' کلچر اور عالمی سرمایہ دارانہ نظام اور ذہنیت کی بنیاد پر ہے' لہٰذا ان سائنسی ایجادات سے خیر کی کوئی توقع کرنا عبث اور بے کار ہے۔ ان ایجادات کی جو منفعت لوگوں کو بتلائی جاتی ہے وہ درحقیقت ان کی مضرت ہے جسے سرمایہ دارانہ ذہن الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا وغیرہ کے استعمال سے منفعت کے روپ میں دکھلاتا ہے۔ اور ان اشیاء کی منفعت دراصل ایک ایسا سحر ہے جس کی حقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بالمقابل جادوگروں کے دوڑنے والے لاٹھی نما سانپوں سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

ان میں سے ہر ایک رائے اپنے پیچھے مضبوط دلائل اور صغریٰ کبریٰ رکھتی ہے لیکن ہمارا رجحان تیسری رائے کی طرف ہے۔ ہمارے خیال میں ایک خاص وقت تقریباً بیسویں صدی ہجری کے آغاز تک سائنسی ایجادات کے پس منظر میں انسانی ''ضرورت'' کا پہلو غالب رہا ہے اور انیسویں صدی کے اختتام تک یہ ایجادات اس قدر ہو چکی تھیں کہ انسانی ضرورت کے تقریباً

ہر پہلو کو محیط تھیں۔ اب انسان نے ضرورت سے ایک قدم آگے ''آسائش'' کی خاطر ایجادات کی طرف توجہ دی اور ۷۰ء کی دہائی تک ان ایجادات کے پس منظر میں انسانی ''آسائش'' کا پہلو غالب رہا۔ البتہ ۷۰ء کی دہائی کے بعد ان ایجادات میں عالمی سرمایہ دارانہ ذہنیت' سیکولر سوچ' دجالی کلچر کی نشر واشاعت' مغربی تہذیب کی ترویج اور مزہ (lust) وغیرہ کا پہلو غالب ہوگیا اور انہی بنیادوں کو سامنے رکھتے ہوئے ایجادات پر ایجادات ہونے لگیں۔ لہٰذا نیوٹن کے دور کی ایجادات کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ بھی سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پیداوار ہیں' ہمارے خیال میں درست نہیں ہے۔ اسی طرح ہماری رائے یہ بھی نہیں ہے کہ تیسرے دور کی ہر ایجاد ہی اسی سرمایہ دارانہ اور سیکولر ذہنیت کے پس منظر میں ہوگی' بلکہ ہمارے کہنے کا مقصود یہ ہے کہ تاحال اس عرصے میں جو ایجادات ہو رہی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کے پیچھے یہی ذہنیت اور فکر کارفرما ہے' مثلاً نیا سے نیا موبائل' نئی سے نئی گاڑی وغیرہ۔

انٹرنیٹ بھی درحقیقت تیسرے دور کی ایجاد ہے۔ اگرچہ یہ مان بھی لیا جائے کہ اس کی ایجاد کے پس منظر میں خیر و شر کا کوئی تصور موجود نہیں تھا لیکن یہ بات بہرحال مسلم ہے کہ اس وقت اس آلے کو بے حیائی' عریانی' فحاشی' لچر پن' مادر پدر آزادی' مغربی تہذیب اور فرائڈازم کو پھیلانے کے لیے ابلیس اور اس کے ایجنٹوں کی باقاعدہ سرپرستی میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہم نے انٹرنیٹ کے بارے میں اوپر جو چار نکتہ ہائے نظر بیان کیے ہیں' ان میں سے تیسرا نکتہ نظر اس پر صادق آتا ہے اور انٹرنیٹ کے اس تصور کو سامنے رکھتے اور ذہن میں بٹھاتے ہوئے ہمیں اسے استعمال کرنا چاہیے۔ چنانچہ انٹرنیٹ پر بیٹھے ہوئے انسان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ آگ کے ایک انگارے پر بیٹھا ہے جو کسی بھی لمحے بھڑک کر اس کے ایمان کو جلا سکتا ہے۔ مال اور اولاد میں خیر کا پہلو بہت حد تک غالب ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو ''فتنہ'' کہا ہے اور انٹرنیٹ میں تو شر کا پہلو غالب ہے لہٰذا اس کے فتنہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ پس اس فتنے کی آزمائشوں سے بچتے ہوئے ہم نے اسے استعمال کرنا ہے' یہ ہمارا عقیدہ ہونا چاہیے۔

کمپیوٹر کو ہی لے لیں' اس کے بارے میں غلط عقیدے نے کس قدر بگاڑ پیدا کیا ہے۔ کمپیوٹر کو ایک خیر کا آلہ سمجھ لیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دس سال کے بچے سے لے کر ۷۰ سال کے بوڑھے کے کمرے میں اپنا ذاتی کمپیوٹر موجود ہے۔ اور اب تو مسجد سے متصل امام مسجد

اور قاری صاحب کے حجرے میں بھی کمپیوٹر صاحب اپنا دیدار کروانے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح مدارس میں پڑھانے والے اساتذہ نے اپنے کمروں میں کمپیوٹرز رکھنا شروع کر دیے ہیں۔ اور یہ چیز کسی دینی مدرسہ کے لیے فخر کا باعث ہوتی ہے کہ اس کے طلبہ کمپیوٹر کا استعمال جانتے ہیں اور کمپیوٹر استعمال کرتے ہیں۔ اگر اسی کمپیوٹر کی جگہ کسی قاری یا امام مسجد یا مدرسہ کے استاذ کے کمرے میں ٹیلی ویژن ہوتا تو ہمارے ذہن میں ان کے بارے کیا تصور ابھرتا؟ واقعہ یہ ہے کہ کمپیوٹر کے ساتھ لاحق بُرے تصورات کو ہم نے نظر انداز کر دیا ہے' حالانکہ جو برائی ٹیلی ویژن میں ہے اس سے ہزار گنا زیادہ برائی کمپیوٹر کے ذریعے ممکن ہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے بارے میں ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس پر آپ جو دیکھنا چاہیں یہ آپ کو وہی دکھاتا ہے' چاہے تو خیر دیکھ لیں چاہے شر۔ یہ کمپیوٹر کے حق میں ایک انتہائی سطحی دلیل ہے کیونکہ یہی معاملہ تو ٹیلی ویژن کا بھی ہے' چاہے تو ذاکر نائیک کا چینل دیکھ لیں اور چاہے تو سٹار پلس سے محظوظ ہوں۔ مذہبی طبقے کا ٹیلی ویژن کے بارے میں جو منفی نظریہ تھا وہ کمپیوٹر کے بارے کیوں نہیں ہے؟ ہمارے خیال میں یہ ایک اہم سوال ہے۔ اور ایسا باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہوا ہے کہ شر کے لیے کثرت سے استعمال ہونے والے آلات کے بارے میں مذہبی طبقہ کے نکتہ نظر اور عقیدے کو بگاڑا گیا ہے اور مغرب ایسا کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو گیا ہے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کو اگر ہم شر کا آلہ نہیں سمجھتے تو کم از کم اسے خیر کا آلہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر ہمارا عقیدہ اس حد تک بھی درست ہو جائے تو کم از کم ہم کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے استعمال کی جان پہچان پر فخر کرنا چھوڑ دیں گے۔

## مؤمن کے حفاظتی حصار کے ساتھ انٹرنیٹ کا استعمال

انٹرنیٹ چونکہ اس وقت شر کا ایک آلہ بن چکا ہے لہٰذا ضرورت کے تحت اس کے استعمال سے پہلے ایک بندۂ مومن کو اپنے گرد شیطان سے حفاظتی حصار کھینچ لینا چاہیے۔ شیطان سے حفاظتی حصار کھینچنے سے کیا مراد ہے؟ مثلاً شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرنے والی ادعیہ ماثورہ کا ورد کرتے ہوئے اس کا استعمال کیا جائے' جیسا کہ ''اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ'' والی دُعا ہے' یا ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ'' والی دعا ہے' یا معوذتین ہیں یا آیت الکرسی ہے' وغیرہ۔ اس ضمن میں دارالسلام کی شائع کردہ کتاب ''حصن المسلم'' یعنی ''مسلمان کا قلعہ'' ہر بندۂ مؤمن کے پاس ضرور ہونی

چاہیے۔اس کتاب میں ایک معروف عرب عالم دین نے ان تمام ادعیہ ماثورا اور اعمال کو جمع کر دیا ہے جو ایک مسلمان کے لیے شیطان سے حفاظتی حصار کا کام دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر وضو کر کے انٹرنیٹ پر بیٹھے تو زیادہ بہتر ہے' کیونکہ پانی شیطانی ہیجانات کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے غصے کی حالت میں اور اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم دیا۔ اونٹ کے گوشت میں حدّت ہوتی ہے' پس آپ ﷺ نے اس حدّت کے علاج کے طور پر گوشت کھانے کے بعد وضو کا حکم دیا۔ ویسے تو انسان کو ہر وقت ہی باوضو رہنا چاہیے لیکن خصوصاً شر کے مقامات پر باوضو رہنے سے شر سے بچنے میں انسان کو بہت قوت ملتی ہے۔

## وقت کی حدود اور ہدف کا تعین

ایک بات تو طے ہے کہ انٹرنیٹ کوئی مجرد شے نہیں ہے لہٰذا اسے ضرورت کے تحت استعمال کرنا چاہیے۔ ضرورت کے تحت استعمال میں بھی بعض اوقات انسان کے بہک جانے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا اس کے استعمال سے پہلے ہدف کا تعین اور وقت کی حدود طے ہونی چاہئیں۔ آپ انٹرنیٹ کیوں استعمال کرنا چاہتے ہیں؟ یہ آپ کے نزدیک واضح ہونا چاہیے۔ اور آپ نے اسے کتنے وقت کے لیے استعمال کرنا ہے؟ یہ بھی آپ کے ہاں طے ہونا چاہیے۔ ایک خاتون نے راقم الحروف کو بتایا کہ وہ انٹرنیٹ پر بیٹھا کرتی تھیں اور بلاوجہ لوگوں سے رابطے کرتی تھیں۔ اسی دوران ان کا رابطہ ایک نوجوان سے ہوا جس سے ان کا معاشقہ چل نکلا۔ اس نوجوان نے ای میل کے ذریعے محبت کے جھانسے میں ان کی کچھ ذاتی تصاویر حاصل کر لیں اور بعد میں انہیں ان تصاویر کے ذریعے بلیک میل کرنے لگا۔ ان خاتون نے بتلایا کہ یہ نوجوانوں کا ایک پورا گروپ تھا جو اس طرح لڑکیوں کو ورغلانے اور پھانسنے کا کام کرتا ہے۔ وہ خاتون جس ذہنی کرب اور تکلیف سے گزر رہی تھیں' اس سے اپنی مسلمان بہنوں کو بچانے کے لیے یہ کہہ رہی تھیں کہ مذہبی تحریکوں کو چاہیے کہ اس بارے میں لڑکیوں پر زور دیں کہ وہ انٹرنیٹ پر نہ بیٹھا کریں اور انہیں انٹرنیٹ استعمال کرنے والے ایسے وحشی نوجوانوں سے خبردار رہنا چاہیے۔

ایک خاتون نے بتلایا کہ وہ ایک مذہبی خاتون ہیں اور انہوں نے تبلیغ کی نیت سے انٹرنیٹ پر اسلام کے بارے چیٹنگ شروع کی' لیکن جب بھی وہ خاتون کسی چیٹنگ روم میں نوجوان لڑکوں کو چیٹنگ کے دوران سمجھانے کی کوشش کرتیں تو لڑکے ان سے پیار و محبت کی

باتیں شروع کر دیتے۔ اگر تو نیٹ چیٹنگ مخلوط ہو یعنی لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین ہو تو چاہے خلوص نیت اور اسلام کی دعوت و تبلیغ ہی کی خاطر کیوں نہ ہو اس سے کوئی خیر برآمد نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ چیٹنگ ایک لڑکے اور لڑکی کے مابین ہو رہی ہو تو اس کی حرمت ویسی ہی ہے جیسا کہ ایک مرد و عورت کو خلوت میں بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں نیٹ چیٹنگ ایک بیماری ہے جسے یہ بیماری لاحق ہو جائے اس کے لیے کوشش کے باوجود اس سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو ہماری نوجوان نسل کے بہترین اوقات کا قیمتی حصہ ضائع کر دیتی ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ انٹرنیٹ وقت کے ضیاع کا بہت بڑا باعث ہے۔ ایک عامی شخص جسے کسی نے ای میل نہیں بھیجنی یا جس کا کسی سے کوئی خاص تعارف نہیں ہے اس نے بھی ای میل ایڈریس بنا رکھا ہے اور بتکلف ای میل کے ذریعے مختلف لوگوں سے رابطے کرتا ہے اور روزانہ اسے چیک کرنے کے لیے اپنا وقت صرف کر رہا ہوتا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں دیکھنے میں آیا ہے کہ دفتری عملہ فضول میں انٹرنیٹ پر براؤزنگ کرتے ہوئے اپنا اور ادارے کا وقت ضائع کر رہا ہوتا ہے۔ اگر تو یہ براؤزنگ کسی ہدف اور مقصد کے تحت ہو تو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر بغیر مقصد کے ہو تو بعض اوقات ایک اخبار مثلاً ایکسپریس کی ویب سائیٹ سے شروع ہوتی ہے اور کسی واہیات ویب سائیٹ پر جا کر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

## شیطان کے نقش قدم کی پیروی سے بچاؤ

قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کئی ایک مقامات پر بنی نوع انسان کی رہنمائی فرمائی ہے کہ شیطان انسان کو بے حیائی کے کاموں کی رغبت دلاتا ہے لہٰذا انسان کو شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾﴾ (النحل)

''بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عدل، احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتے ہیں اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ انٹرنیٹ اس وقت ایک ایسا آلہ بن چکا ہے جس کا استعمال شر پھیلانے کے لیے بہت زیادہ ہو رہا ہے لہٰذا انٹرنیٹ پر بیٹھے ہوئے کئی ایک مواقع ایسے آتے

ہیں جو بندۂ مؤمن کے لیے آزمائش بن جاتے ہیں' مثلاً اگر آپ ''یاہو'' پر اپنی ای میل چیک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں واہیات قسم کی تصاویر اور ویڈیوز آپ کے سامنے آتی رہتی ہیں۔ اس کا مناسب حل تو یہ ہے کہ آپ ''ہاٹ میل'' یا ''جی میل'' پر اپنا نیا اکاؤنٹ بنالیں۔ اب تو بعض مذہبی اداروں نے اپنے اداروں کے نام سے ای میلز کی خدمات جاری کر لی ہیں جو ایک اچھا اقدام ہے۔

لیکن اس کے باوجود انٹرنیٹ پر بعض اوقات کسی خیر کے کام کے دوران شر اور بے حیائی کے پیغامات آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ نے ''اصولِ فقہ'' کے نام سے گوگل میں سرچ کی اور اصول فقہ کے نام پر بنی ہوئی کسی ویب سائیٹ کو کلک کیا تو وہ اباحی ویب سائیٹ نکلی۔ اس وقت اسلامی اصطلاحات کے نام پر بھی ''شر'' کی ویب سائیٹس قائم کی جارہی ہیں تاکہ خیر کا کام کرنے والے بھی کسی نہ کسی طرح اس شر میں مبتلا ہوں۔ بعض لوگوں نے یہ بھی شکایت کی ہے کہ اب تو نوائے وقت' پی ٹی سی ایل وغیرہ جیسے ناموں سے بھی ''شر'' کی ویب سائیٹس قائم کی گئی ہیں تاکہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک شخص بے حیائی میں مبتلا ہو جائے۔ ایسے میں کسی نیک ہدف کے تحت براؤزنگ کرتے ہوئے اگر کوئی غلط ویب سائیٹ کھل جائے تو اس صورت میں ہمیں مذکورہ بالا آیت کو اپنے ذہن میں بٹھاتے ہوئے اسے فوراً بند کر دینا چاہیے۔ اگرچہ یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے لیکن اگر درج ذیل آیات انسان کے ذہن نشین ہوں تو شاید بہت حد تک آسان بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ (الانعام: ۱۵۱)

''اور تم بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی نہ جاؤ' چاہے وہ بے حیائی کے کام کھلم کھلا ہوں یا پوشیدہ۔''

یہاں یہ نہیں کہا کہ بے حیائی کے کام نہ کرو بلکہ انداز یہ رکھا ہے کہ بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یعنی جو اس کے قریب چلا گیا تو اس کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ اس میں مبتلا ہو گیا ہو' لہٰذا اس کے قریب جانے سے بھی منع کر دیا گیا۔ اس حکم الٰہی کے مطابق بے حیائی کے کام کرنا بھی حرام ہیں اور بے حیائی کے قریب جانا بھی شرعاً ممنوع ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ (الاعراف: ۳۳)

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: سوا اس کے نہیں میرے رب نے بے حیائی کے کاموں

کو حرام قرار دیا ہے' چاہے وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ۔''

ایک اور جگہ اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ﴾ (الشوریٰ: ۳۷)

''اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں۔''

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسی ویب سائیٹ پر کسی اچھے مقصد کے تحت داخل ہوتے ہیں' کہ جس میں خیر اور شر دونوں قسم کا مواد موجود ہوتا ہے' جیسا کہ ''یوٹیوب'' کی مثال ہے۔ پس انسان تلاوت' نعت' درس قرآن وغیرہ کے بہانے ایسی ویب سائیٹ پر داخل ہوتا ہے اور براؤزنگ در براؤزنگ کے نتیجے میں اباحی ویڈیوز دیکھنے میں مشغول ہوسکتا ہے۔ اسی کو شیطان کے نقش قدم کی پیروی کہا گیا ہے' جس سے اجتناب لازمی امر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ﴾ (النور: ۲۱)

''اے اہل ایمان! شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو۔ اور جو کوئی شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرے گا تو بلاشبہ شیطان تو بے حیائی اور گناہ کے کاموں ہی کا حکم دیتا ہے۔''

## انٹرنیٹ کا نشہ یا احتیاج

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک شے کے کثرتِ استعمال سے انسان اس کا عادی ہو جاتا ہے' یہی معاملہ انٹرنیٹ کا بھی ہے۔ کوشش کریں کہ اپنے آپ کو انٹرنیٹ کا محتاج نہ بنائیں۔ بعض لوگوں کا معاملہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ انٹرنیٹ پر بیٹھے یا کام کرنے کے اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ اس کے بغیر ان کے لیے کام کرنا ممکن نہیں ہوتا اور اگر کبھی عارضی طور پر انٹرنیٹ بند ہو جائے تو وہ عجیب قسم کی بے چینی' اضطراب اور جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے انٹرنیٹ کے استعمال کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے آپ کو اس کا اس قدر مجبور نہیں بنانا چاہیے کہ ہم اس کے غلام بن کر رہ جائیں اور اس کے بغیر کام کرنا ہمارے لیے ممکن نہ رہے۔ انٹرنیٹ ایک استعمال کی شے ہے' اسے اسی حیثیت میں رکھنا چاہیے' نہ کہ اسے ضروریاتِ زندگی کا درجہ دے دینا چاہیے۔

بعض اوقات ہم مجرد انٹرٹینمنٹ کے نام سے بھی انٹرنیٹ کا استعمال کرتے ہیں' مثلاً انٹرنیٹ پر کوئی ویڈیو گیم کھیل لی۔ یہ استعمال بھی اکثر اوقات حد درجے مضر بن جاتا ہے۔ اگر تو

یہ ضرورت سے زائد ہو تو وقت کا ضیاع ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے اور بعض اوقات تو یہ نشہ کی صورت بھی اختیار کر جاتا ہے اور نوجوان سارا سارا دن انٹرنیٹ پر بیٹھے ویڈیو گیمز کھیلتے رہتے ہیں۔ اب تو بکثرت ایسی ویڈیو گیمز بنائی جاتی ہیں جو جادو ٹونے پر مشتمل ہوں گی یا لچر پن اور عریانی وفحاشی اس کا ایک لازمی عنصر ہوگا یا مسلمانوں کے خلاف جنگ وجدال میں اہل مغرب کی کامیابی دکھائی جارہی ہوگی۔

مجرد انٹرٹینمنٹ بھی ایک دھوکہ ہے اور اس بہانے بچوں اور نوجوان نسل کے اخلاقیات اور دین کو بہت حد تک بگاڑا جارہا ہے۔ مثلاً ''ٹام اور جیری'' کے کارٹونز ہی کو لے لیں' ان میں بھی انہوں نے بعض اوقات ایسے واہیات قسم کے مناظر ڈالے ہوتے ہیں جو بچوں کے لیے بہت ہی نقصان دہ ہیں۔ اگر کسی نے اپنے بچوں کو یہ کارٹون دکھانے ہی ہیں تو والدین کو چاہیے کہ پہلے خود سے یہ کارٹون دیکھ کر ان میں سے واہیات مناظر خارج کر دیں۔ اس کے لیے کئی ایک ایسے سافٹ ویئرز ملتے ہیں جن سے یہ کام باآسانی ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ''سپائیڈر مین'' کو لے لیں۔ بچوں کا سکول بیگ' جوتا' کاپیاں یا کتابیں لینے جائیں تو بازار ان اشیاء پر سپائیڈر مین کی تصاویر سے بھرے پڑے ہیں۔ سپائیڈر مین کو ہمارے ہاں بچوں میں ایک ہیرو کا درجہ دے گیا ہے۔ ایک دفعہ راقم کو بچے نے کہا کہ اس نے سپائیڈر مین کے کارٹون دیکھنے ہیں۔ راقم جب یہ کارٹون خرید کر گھر لایا تو یہ تو کارٹون کے بجائے ٹین ایجرز کی داستانِ محبت نکلی۔ مجرد انٹرٹینمنٹ کے نام سے ہم اپنے بچوں کو کیا دکھلا رہے ہیں' ہمیں اس کا گہرائی سے جائزہ لینا چاہیے اور اس پر غور کرنا چاہیے۔

## اباحی ویب سائیٹس سے اجتناب

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت انٹرنیٹ کا استعمال بے حیائی اور فحاشی کو عام کرنے کے لیے باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہو رہا ہے۔ بلاشبہ ہزاروں ویب سائیٹس اس دجالی مقصد کے حصول کے لیے قائم کی گئی ہیں اور ان کی تاثیر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک اباحی ویب سائیٹ کی رپورٹ کے مطابق روزانہ ۵۰ لاکھ افراد اسے وزٹ کرتے ہیں۔ اسی طرح خیر وشر کے مواد پر مشتمل ''یوٹیوب'' کا یہ دعویٰ ہے کہ اس ویب سائیٹ کو روزانہ ایک ارب لوگ کلک کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان ویب سائیٹس پر بے حیائی کے مناظر کا مشاہدہ بھی زنا ہی کی ایک قسم ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((فَالْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلَانِ يَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْمَشْيُ وَالْفَمُ يَزْنِيْ وَزِنَاهُ الْقُبَلُ وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ اَوْ يُكَذِّبُهُ)) (مسند احمد : ۲/ ۳۴۳' مؤسسة قرطبة' القاهرة)

''پس آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے۔ اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے۔ اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا چلنا ہے۔ اور ہونٹ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا بوسہ لینا ہے۔ اور دل گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کی خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۝۳۲﴾ (بنی اسراء یل)

''اور تم زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔ بلاشبہ وہ ایک بے حیائی کا کام ہے اور بُرا رستہ ہے۔''

زنا کے قریب جانے سے مراد وہ تمام رستے اور ذرائع اختیار کرنا ہے جو زنا کے قریب کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں' لہٰذا ان ذرائع کا استعمال بھی حرام ہے جو زنا سے قریب کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

## نگاہوں کو دبا کر رکھنا

انٹرنیٹ کے استعمال کے وقت ایک اہم شرعی ہدایت پر عمل کرنا لازم ہے اور وہ نگاہوں کو دبا کر رکھنے کی ہدایت ہے' یعنی انسان اپنی نگاہوں کو کنٹرول میں رکھے اور اگر کوئی غیر شرعی منظر سامنے آجائے تو فوراً اسے تبدیل کر دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ.....﴾ (النور: ۳۱)

''(اے نبی ﷺ!) آپ اہل ایمان مردوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو دبا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بہت ہی پاکیزہ بات ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کر رہے ہیں' اسے دیکھ رہے ہیں۔ اور آپ اہل ایمان عورتوں

سے بھی کہہ دیں کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو دبا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں.....''

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَظْرَةِ الْفَجْاَةِ فَقَالَ: ((اصْرِفْ بَصَرَكَ))

(ابوداؤد' کتاب النکاح' باب ما یؤمر به من غض البصر)

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے (کسی غیر محرم اور اجنبی عورت پر) اچانک نظر پڑ جانے کے بارے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا: اپنی نگاہ پھیر لو۔''

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورت اس اُمت کے لیے بہت بڑا فتنہ ہے بلکہ بعض روایات میں تو اسے سب سے بڑا فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ)) (صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب ما یتقی من شؤم المرأة)

''میں اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر نقصان پہنچانے والا کوئی فتنہ نہیں چھوڑ رہا۔''

اور یہ عورت ہی ہے جس کی وجہ سے آج انٹرنیٹ کے ذریعے بے حیائی کو عام کیا جا رہا ہے۔

## احتیاط و تحمل

انٹرنیٹ پر اس وقت اکثر و بیشتر مذہبی حلقوں نے ای میل اکاؤنٹس بنا رکھے ہیں اور آئے روز کئی ایک ای میل ہزاروں افراد کو فارورڈ کی جاتی ہیں۔ کسی بھی ای میل کو فارورڈ کرنے سے پہلے ہمیں اس کے بارے میں پہلے اپنا اطمینان حاصل کر لینا چاہیے' کیونکہ کسی جھوٹی بات کو فارورڈ کرنے کی صورت میں ہم بھی اس جھوٹ میں برابر کے شریک قرار پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ)) (صحیح مسلم' مقدمه' باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع)

''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے نقل کر دے۔''

''یوٹیوب'' اس جھوٹ کی ایک بہت بڑی مثال ہے' جس میں ہر مکتبہ فکر نے دوسرے فرقہ کے خلاف زہر افشانی کو اپ لوڈ کیا ہوا ہے اور لوگ ان ویڈیوز کو آگے فارورڈ کرتے رہتے ہیں' جس سے فرقہ واریت کی آگ بہت تیزی سے بھڑک رہی ہے۔ بعض اوقات ان اپ لوڈ کئی گئی ویڈیوز میں حقیقت کا پہلو بھی ہوتا ہے لیکن اکثر اوقات سیاق وسباق کو کاٹ کر کسی کا موقف کیا سے کیا بنا دیا جاتا ہے۔ اب تو کسی بھی مکتبہ فکر سے متعلق کوئی بھی معروف مذہبی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ جس کے حق میں یا اس کے خلاف ویڈیوز ''یوٹیوب'' پر دستیاب نہ ہوں۔

قرآن میں بھی ہمیں کسی خبر کو آگے منتقل کرنے کے لیے تحقیق کا حکم دیا گیا ہے' لہٰذا ای میل یا کسی اور مواد کو آگے فارورڈ کرنے سے پہلے اس کے بارے میں مکمل اطمینان حاصل کر لینا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶﴾ (الحجرات)

''اے اہل ایمان! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کر لیا کرو' مبادا تم کسی قوم پر جہالت میں جا پڑو اور (بعد میں) تم اپنے اس فعل پر شرمندہ ہو۔''

## رائے کے اظہار میں غور وفکر

بعض ویب سائیٹس پر سیاسی' معاشرتی' اخلاقی' بین الاقوامی اور مذہبی مسائل کے بارے میں رائے مانگی جاتی ہے' جیسا کہ عموماً بی بی سی کے سروے وغیرہ میں انٹرنیٹ کے صارفین کو مختلف مسائل میں رائے دہی کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔ ایسے تمام مقامات پر اپنی رائے کے اظہار میں دیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رائے دینی چاہیے۔

## مفید اور نافع پروگراموں میں شرکت

انٹرنیٹ پر بیٹھتے ہوئے دینی اور مذہبی ویب سائیٹس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے اور عامۃ الناس میں ان ویب سائیٹس کا تعارف عام کروانا بھی ہمارا مقصود نظر ہونا چاہیے تاکہ انٹرنیٹ کے صارفین اپنا زیادہ سے زیادہ وقت مثبت سرگرمیوں میں استعمال کر سکیں۔ ان دینی ویب سائیٹس میں اسلامی تحریکوں' دینی مدارس' نامور علماء وشیوخ اور سرکاری وغیر سرکاری مذہبی اداروں کی ویب سائیٹس ہیں۔ چند اہم دینی ویب سائیٹس درج ذیل ہیں:

بیانات، دروس قرآن اور تقاریر کے لیے:

www.tanzeem.org
www.quranacademy.com
www.quranacademy.org
www.maulanatariqjamil.net
www.darsequran.com
www.tasawwuf.org
www.quran-o-sunnah.com

تلاوت قرآن اور عربی خطبات کے لیے:

www.islamway.com

اردو دینی کتابوں اور سافٹ ویئرز کے لیے:

www.almeshkat.com
www.dorar.net
www.islamport.com

اردو دینی کتابوں کے لیے:

www.kitabosunnat.com

اُردو فتاویٰ کے لیے:

www.binoria.org
www.islam-qa.com/ur

عربی اور انگلش فتاویٰ کے لیے:

www.islamweb.com
www.islam-qa.com

انگلش کتابوں کے لیے:

www.sultan.org

دینی ویب سائٹس کے لنکس معلوم کرنے کے لیے:

www.sultan.org/a/

## نہی عن المنکر دل، زبان اور ہاتھ سے

انٹرنیٹ کے استعمال کے ضمن میں ایک آخری ہدایت جسے ہم میں سے ہر ایک کو پیش نظر رکھنا چاہیے، وہ ہمارا دینی فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جس طرح فیس بک کے

معاملے میں مسلمان اُمت نے بروقت اپنے ایمانی جذبے کا اظہار کیا' اسی طرح کا احتجاج ہمیں اباحی ویب سائیٹس کے بارے میں بھی کرنا چاہیے۔ اس وقت مذہبی طبقے ایک دوسرے کے رد کے لیے زیادہ تر انٹرنیٹ استعمال کر رہے ہیں۔ ''یوٹیوب'' اور ''فتاویٰ'' کی ویب سائیٹس باہمی منافرت اور فرقہ واریت کی اس آگ کو بہت زیادہ بھڑکا رہی ہیں۔ عموماً ایک مخصوص مکتبہ فکر یا دارالعلوم کی ویب سائٹ پر آپ کو اس مکتبہ فکر کے علاوہ جمیع مکاتب فکر اور دینی اسلامی تحریکوں کے خلاف گمراہی' ضلالت' بدعت اور کفر تک کے فتوے بھی مل جائیں گے۔ اگر ہمارا یہی مذہبی طبقہ سازشی یہود و نصاریٰ' مشرکین' حربی کفار اور دہریوں کی کاوشوں کے خلاف متحد ہو جائے تو انٹرنیٹ کی سطح پر بہت کچھ مثبت کام کیا جا سکتا ہے۔ ہر ملک میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والے مذہبی طبقے کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ وہ اپنی حکومتوں کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ اباحی اور مخرب اخلاق ویب سائیٹس پر پابندی لگائیں۔ انہی اباحی ویب سائیٹس کا یہ کمال ہے کہ آج ہال روڈ لاہور پر مخرب اخلاق سی ڈیز اس قدر کثیر تعداد میں باآسانی فروخت ہو رہی ہیں جیسے کسی سبزی منڈی میں ٹماٹر بک رہے ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ان اباحی اور مخرب اخلاق ویب سائیٹس پر پابندی لگانے کی کوئی تحریک نہ چلائی گئی تو وہ وقت دور نہیں ہے جب ہمارے معاشروں میں بے حیائی اور فحاشی اس قدر عام ہو جائے گی جس قدر آج مغربی ممالک میں دیکھنے میں آتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

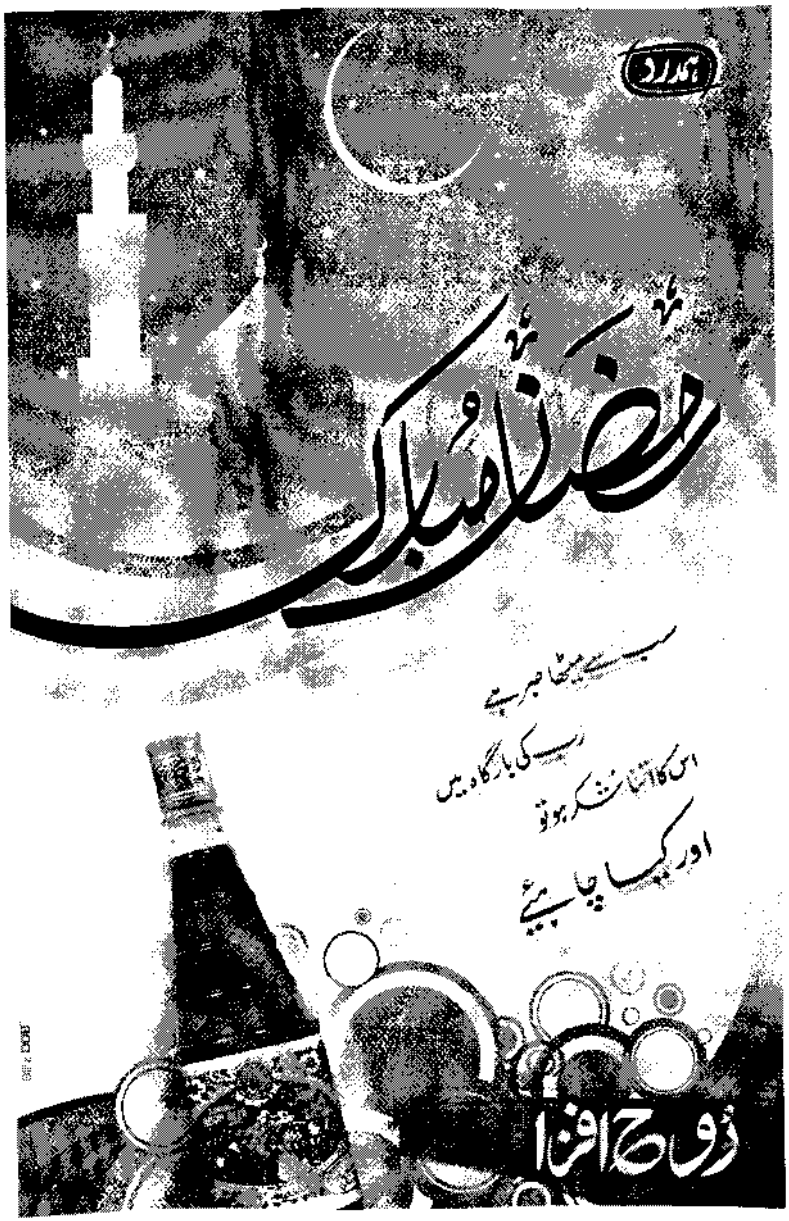
ہمدرد
رمضان مبارک
سب سے میٹھا صبر ہے
اس کا اتنا شکر ہو تو
رب کی بارگاہ میں
اور کیا چاہیے
روح افزا

September 2010
Regd CPL No. 115
Vol.59
No.9

Monthly **Meesaq** Lahore

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

دینی و عصری علوم کی منفرد دانش گاہ

# کُلّیۃ القُرآن (قرآن کالج)

(وفاق المدارس سے الحاق شدہ)

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد

بورڈ / یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ درسِ نظامی کا مکمل نصاب

قیام و طعام کی سہولت موجود ہے

علمِ دین اور فکرِ حاضر کے حسین امتزاج کی ایک منفرد کوشش

## خصوصیات

- ☆ تجربہ کار، اعلیٰ تعلیم یافتہ مدرسین
- ☆ قرآنی موضوعات پر خصوصی فکری و عملی رہنمائی
- ☆ تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام
- ☆ طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے بہترین مواقع
- ☆ علوم اسلامیہ کے ساتھ جدید علوم یعنی درس نظامی مع میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے
- ☆ اسباق وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ کے نصاب کے مطابق
- ☆ خوبصورت عمارت اور کلاس رومز
- ☆ کمپیوٹر لیب ☆ بہترین اور مکمل لائبریری
- ☆ کانفرنس اور مذاکرہ ہال
- ☆ اسلامی اخلاقیات کی مکمل پابندی
- ☆ رہائش کے لیے بہترین ہوادار اور روشن کمرے
- ☆ خوراک حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق
- ☆ طلبہ کی تدریسی ضروریات پوری کرنے میں معاونت
- ☆ وقت کا مؤثر استعمال
- ☆ مواقع تفریح کی فراہمی

## شرائط داخلہ

- ☆ درجہ اولیٰ کے لیے متوسطہ یا مڈل پاس، ثانیہ کے لیے نہم اور اولیٰ پاس اور ثالثہ کے لیے وفاق المدارس سے عامہ اور بورڈ سے میٹرک پاس ہونا لازمی ہے۔
- ☆ دیگر تعلیمی اداروں سے کم از کم مڈل
- ☆ اپنے علاقے کے عالم دین سے یا ساجد مدرسے سے تصدیق نامہ
- ☆ سرپرست کی طرف سے ضمانت نامہ
- ☆ ٹیسٹ اور انٹرویو میں کامیابی

مقامی و دیگر شہروں کے طلبہ کے لیے
درجہ اولیٰ و ثانیہ (میٹرک)
اور ثالثہ میں نئے تعلیمی سال کے
داخلے جاری ہیں

## معلومات داخلہ

نئے سال کے لیے داخلہ کے خواہش مند طلبہ کلیۃ القرآن آفس سے داخلہ فارم اور انٹری ٹیسٹ کے لیے سلیبس وصول کر سکتے ہیں

داخلہ کے لیے انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو پاس کرنا لازمی ہے۔

20 ستمبر کو انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو ہو گا

**دیگر شہروں میں رابطہ مراکز:**

- کراچی: قرآن اکیڈمی، 65-DM درخشاں، خیابان راحت، فیز 6، ڈیفنس کراچی، فون: 3-(021)5340022
- پشاور: 18-A ناصر مینشن، شعبہ بازار، رحمٰن روڈ نمبر 2۔ فون: (091) 2214495
- ملتان: قرآن اکیڈمی، 125-A فیصرز کالونی، فون و فیکس: (061)6520451
- فیصل آباد: انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی، سعید کالونی نمبر 2۔ فون: (041)8520889
- اسلام آباد: 31/1 فیض آباد ہاؤسنگ سکیم 1-8/4، فون: (051)4434436

برائے رابطہ

ناظم اعلیٰ **کُلّیۃ القرآن** (قرآن کالج) 191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: (042)35860024-35833637

ذیلی دفتر: **قرآن اکیڈمی** 36-K ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: 3-(042)35869501
فیکس: (042)35834000، ای میل: irts@tanzeem.org